جامعہ حقانیہ کا ترجمان

الحقانیہ

مجلّہ

ساہیوال
سرگودھا

محرم الحرام ۱۴۲۸ھ ○ فروری ۲۰۰۷ء

بانی فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی قدس سرہٗ

محرم الحرام ۱۴۲۸ھ فروری ۲۰۰۷ء فہرست

قائداعظم اور نظریۂ پاکستان	مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم	3
درس قرآن کریم	// // //	8
درس حدیث	شیخ الاسلام حضرت مولانا علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ	10
ملفوظات حکیم الامت رحمہ اللہ	از قلم حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی رحمہ اللہ	12
جذبۂ تحقیق اور اس کے نتائج	حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذی قدس سرہ	14
سلوک واحسان	حضرت مولانا صوفی محمد سرور صاحب دامت برکاتہم	20
دراسات دینیہ کی ضرورت واہمیت	مولوی محمد علی اسعد	24
محافظین قرآن خلفائے خداوندی ہیں	سید شمشاد حسین جھنگ	30
حضرت مولانا فضل محمد رحمہ اللہ	چوہدری علی اکبر وینس بہاولنگر	31
حیات قبر اور انس میت کی حدیث	مولانا ابواحمد نور محمد تونسوی	35
شیخ القراء قاری محی الاسلام پانی پتی رحمہ اللہ	پروفیسر ایم ۔اے ۔عثمانی	38
اولاد کے اولین حقوق	مولانا محمد عبداللہ چنیوٹی	41
بچوں کا صفحہ	ادارہ	42
الاستفتاء	فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ	43
تعارف وتبصرہ	ادارہ	46

☆☆☆☆☆☆☆

کلمۃ الحق مفتی سید عبدالقدوس ترمذی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قائداعظم اور نظریۂ پاکستان

یہ حقیقت کسی پر بھی مخفی نہیں کہ مملکت اسلامیہ پاکستان اسلام کے نام پر معرض وجود میں آئی، بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح مرحوم اور اس دور کی مسلم لیگ کے قائدین نے پاکستان کا مطالبہ اس لئے کیا کہ یہاں مسلمانوں کو ہر طرح سے آزادی حاصل ہو اور وہ مکمل طور پر ایک فلاحی اسلامی ریاست میں اسلام کے اصول کے مطابق اپنی زندگی گزار سکیں، برصغیر کے عظیم اسکالر اور رہنما حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ اور آپ کے لاکھوں متوسلین نے بھی اسی لئے مسلم لیگ کی حمایت کی کہ وہ دوقومی نظریہ کی بنیاد پر مسلمانوں کیلئے ایک الگ مملکت کی خواہاں ہے، لاکھوں مسلمانوں نے مسلم لیگ کا تعاون اسی لئے کیا کہ وہ ایک اسلامی مملکت پاکستان کے نام سے بنانے کا عزم رکھتی ہے، حق تعالیٰ نے فضل فرمایا کہ تمام مکاتب فکر اور جماعتوں نیز لاکھوں کروڑوں مسلمانوں کی حمایت وبھرپور تعاون کی بدولت ۱۴/اگست ۱۹۴۷ء ۲۶ رمضان المبارک ۱۳۶۶ھ کو دنیا کے نقشے پر ایک عظیم اسلامی سلطنت پاکستان کے نام سے ظہور پذیر ہوئی، بانی پاکستان قائداعظم نے پاکستان کی پہلی پرچم کشائی حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی سے کرائی جبکہ ڈھاکہ میں یہ اعزاز خواجہ ناظم الدین کی موجودگی میں حضرت علامہ ظفر احمد عثمانی کو حاصل ہوا۔

قائداعظم پاکستان بننے کے بعد گیارہ ماہ تک حیات رہے انکا انتقال ستمبر ۱۹۴۸ء میں ہوا، انہوں نے کبھی یہ نہیں کہا کہ پاکستان سیکولر اسٹیٹ ہے اسے ہم نے اسلام کے نام پر نہیں بنایا، ان کی وفات کے بعد 1949ء میں قائد ملت لیاقت علی خان مرحوم کی موجودگی میں قرارداد مقاصد اسمبلی نے پاس کی جس کی تائید میں حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے ولولہ انگیز خطاب فرمایا جو روشنی کا مینار کے نام سے ایک عظیم تاریخی شاہکار ہے، قرارداد مقاصد سے اس مملکت کی اساس اور بنیاد نیز آئندہ کیلئے اس کا قبلہ متعین کردیا گیا تھا جس سے واضح ہے کہ پاکستان ہرگز سیکولر اسٹیٹ نہیں بلکہ یہ ایک اسلامی جمہوری ملک ہے، غرضیکہ اس حقیقت میں ذرا بھی ابہام نہیں ہے کہ پاکستان اسلام کے نام پر بنا تھا اور یہ کہ یہاں اسلامی قوانین کا نفاذ اس کی تاسیس وبنیاد کا اہم ترین مقصد ہے، لیکن یہ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ جماعت مسلم لیگ جس کے زعماء نے اسلام کے نام پر پاکستان بنایا آج ۲۰۰۶ء میں اس کی سوسالہ تقریب میں برملا یہ کہا جارہا ہے کہ قائداعظم

نے پاکستان اسلام کے نام پر نہیں بنایا تھا، کیا یہ واضح طور پر بانی پاکستان قائداعظم اور مسلم لیگ کے تاریخی اور عظیم کارنامہ کی کردار کشی اور حقائق کا انکار نہیں ہے، مزید افسوس یہ کہ جن حضرات نے اس قسم کے بے سروپا ہفوات کا نوٹس لیا تھا وہ خود بھی اس جرم کے ارتکاب میں سرِفہرست ہیں اور پھر قائداعظم مرحوم کی مسلم لیگ کے حقیقی وارث اور جانشین ہونے کے مدعی بھی ہیں ع بہ بیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا

بانی پاکستان کے متعدد بیانات اس حقیقت پر شاہد ہیں کہ انہوں نے یہ مملکت اسلام کے نام پر حاصل کی اس میں اختلاف رائے کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے لیکن چونکہ ارباب فضل وکمال اور روشن خیال اب اس حقیقت کو مسخ کرنے پر تلے ہوئے ہیں، اس لئے عین مناسب ہے کہ سرِدست ہم معروف کالم نگار جناب ڈاکٹر صفدر محمود صاحب کے روزنامہ جنگ میں طبع ہونے والے حالیہ بیان سے وہ اقتباسات پیش کریں جس میں انہوں نے ثابت کیا ہے کہ قائداعظم نے پاکستان کے حوالہ سے ایک مرتبہ بھی سیکولرازم کا لفظ استعمال نہیں فرمایا، موصوف کی کاوش اور جدوجہد قابل تحسین اور ان لوگوں کیلئے یقیناً سرمۂ بصیرت ہے جو پاکستان کو قائداعظم کے حوالہ سے سیکولر اسٹیٹ کہتے ہیں اور روشن خیال ہونے کے مدعی ہیں، قارئین الحقانیہ اب بغور موصوف کا بیان ملاحظہ فرماویں:

سبھی جانتے ہیں کہ مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے بعد اندرا گاندھی نے کہا تھا اور بڑے غرور سے کہا تھا کہ ہم نے نظریۂ پاکستان کو خلیج بنگال میں ڈبو دیا ہے، اندرا گاندھی کا یہ بیان نشتر کی مانند ہر پاکستانی کے دل میں چبھتا ہے، ماسوا ان کے جو پاکستان کی نظریاتی بنیادوں پر یقین نہیں رکھتے اور ببانگ دہل کہتے رہتے ہیں کہ ہم اور ہندو سکھ ایک ہی ہیں اور ہم ان سے خونی رشتوں میں منسلک ہیں، ان کو روشن خیالی مبارک لیکن ان نام نہاد عالموں فاضلوں کو کون سمجھائے کہ اسلام میں رشتے خون سے نہیں مذہب سے طے ہوتے ہیں، غزوۂ بدر کی فتح کے بعد حضرت ابوبکر کے صاحبزادے عبدالرحمٰن نے اپنے والد گرامی سے کہا تھا کہ ابا جان جنگ کے دوران ایک موقع پر آپ کی گردن میری تلوار کی زد میں آ گئی تھی لیکن میں نے ہاتھ روک لیا، یاد رہے کہ اس وقت تک حضرت ابوبکر کے صاحبزادے نے اسلام قبول نہیں کیا تھا، اس کے جواب میں حضرت ابوبکر نے کہا کہ صاحبزادے اگر تمہاری گردن میری تلوار کی زد میں آ گئی ہوتی تو خدا کی قسم میں تمہیں کبھی معاف نہ کرتا۔

بات دور نکل گئی میں کہہ رہا تھا کہ اندرا گاندھی کا بیان پاکستانیوں کے دلوں میں نشتر بن کر چبھتا ہے لیکن آج انہی پاکستانیوں کو یہ خبر پڑھ کر خوشی ہوئی ہوگی کہ اسلام آباد میں مسلم لیگ کے صد سالہ سیمینار میں جب قائداعظم یونیورسٹی کی پروفیسر ڈاکٹر نور فاطمہ نے کہا کہ قائداعظم سیکولر پاکستان چاہتے تھے تو ماشاء اللہ

نظر بد دور کسی پاکستانی کی رگ حمیت نہیں پھڑکی بلکہ اس بین الاقوامی کانفرنس میں شریک بنگالی مندوب عبدالرحیم چوہدری نے اٹھ کر اس کے خلاف نہ صرف احتجاج کیا بلکہ کانفرنس سے بھی واک آؤٹ کر گئے، انہوں نے صحافیوں سے باتیں کرتے ہوئے کہا کہ قائداعظم ہرگز سیکولر پاکستان نہیں چاہتے تھے، ورنہ انہیں ہندوستان سے الگ ہونے کی ضرورت ہی کیا تھی، انہوں نے کہا کہ سیکولر پاکستان کا تصور دوقومی نظریے کی نفی ہے اور اگر میں پاکستانی ہوتا تو ڈاکٹر نور فاطمہ کے خلاف ایف آئی آر کٹواتا۔

لگتا ہے کہ محترم عبدالرحیم چوہدری تحریک پاکستان کے جذبے سے معمور ہیں اور سچے نظریاتی مسلم لیگی ہیں اسی لئے اس موقع پر ان کی دوقومی نظریے سے محبت کی چنگاری بھڑکی اور قائداعظم سے عقیدت کی رگ پھڑکی ورنہ وہ بھی پاکستان مسلم لیگ (ق) کے رہنماؤں کی مانند سر ہلاتے رہتے جنہوں نے مسلم لیگ کی صد سالہ تقریبات کا ڈھونگ رچایا ہے، اس لئے میں اسے مسلم لیگ (قائداعظم) نہیں بلکہ مسلم لیگ قبضہ کہتا ہوں جس نے نہ ہی صرف حکومت بلکہ قائداعظم کی مسلم لیگ پر بھی قبضہ جما رکھا ہے، اگرچہ نظریاتی، اصولی اور جمہوری حوالوں سے ان کی قائداعظم سے کوئی نسبت نہیں، میرے محترم! عبدالرحیم چوہدری کس کس کے خلاف ایف آئی آر کٹوائیں گے، کیونکہ مسلم لیگ (ق) پر روشن خیالی کی چھاپ ہے اور ابن الوقتی کی مہر لگی ہوئی ہے، خود صدر مملکت جنرل پرویز مشرف چند برس قبل یہ کہہ چکے ہیں کہ قائداعظم سیکولر پاکستان چاہتے تھے جس کے جواب میں اس خاکسار نے اسی اخبار میں مضامین لکھے تھے اور قائداعظم کی تقریروں کے حوالوں سے واضح کیا تھا کہ قائداعظم کا تصور پاکستان ایک نظریاتی ریاست کا تصور تھا اور انہوں نے کم از کم دو درجن بار کہا کہ پاکستان ایک اسلامی، جمہوری اور ماڈرن ملک ہوگا۔

جہاں تک سیکولرازم کا تعلق ہے یہ بات آپ کے ذہنوں میں رہے کہ تحریک آزادی کے دور میں سیکولرازم لادینیت کے معنوں میں استعمال ہوتا تھا جبکہ آج کل ہمارے دانشوروں نے اس کو مختلف مفہوم کے لباس پہنا دئے ہیں، ڈکشنری کے مطابق سیکولرازم لادینیت ہی ہے لیکن سیاسی مفہوم کے مطابق سیکولرازم کا مطلب مذہب اور سیاست کی علیحدگی ہے، لیکن مشکل یہ ہے کہ مسلمانوں کے نزدیک اسلام ایک مکمل مذہب ہے، ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے اس لئے اس میں مذہب کو سیاست سے الگ نہیں کیا جا سکتا، لیکن اس کا ہرگز مطلب ملا کریسی نہیں، بلکہ اس کا مطلب فقط سیاست کو اسلامی اصولوں کے تابع رکھنا ہے جو ویسے بھی مسلمان اکثریتی ملک میں ایک بنیادی تقاضا ہوتا ہے، ڈاکٹر نور فاطمہ قائداعظم یونیورسٹی کی فاضل پروفیسر ہیں اور ان کے رفیق کار ڈاکٹر ریاض احمد نے قائداعظم پر بہت کام کیا ہے، میری گزارش ہے کہ وہ دونوں حضرات

قائداعظم کی تقاریر پڑھیں اور مجھے ان کی ہزاروں تقریروں کے لاکھوں الفاظ میں سے ایک بار، فقط ایک بار سیکولرازم کا لفظ ڈھونڈ کر دکھا دیں، کیونکہ میری یادداشت کے مطابق انہوں نے یہ لفظ کبھی ادا نہیں کیا، جبکہ میں ڈاکٹر صاحبہ کو درجنوں ایسے حوالے دے سکتا ہوں جہاں قائداعظم نے پاکستان کیلئے اسلامی نظام اور اصولوں کی بات کی، البتہ توجہ طلب یہ ہے کہ قائداعظم پاکستان کا بڑا واضح تصور دے کر رخصت ہوگئے اور بحیثیت گورنر جنرل بار بار یہ کہتے رہے کہ پاکستان اسلامی جمہوری اور پروگریسو ریاست ہوگی لیکن ان کے انتقال کے بعد ان کے تصور پاکستان کو بحث وتمحیص کا نشانہ بنا دیا گیا ہے اور یہ بحث اٹھاون برسوں میں بھی کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکی، اسی پس منظر میں عبدالرحیم چوہدری صاحب نے بھی احتجاج کیا، ورنہ وہ بنگلہ دیش کے شہری ہیں انہیں اس سے کیا غرض، لیکن اصل بات یہ ہے کہ وہ قائداعظم کے سپاہی ہیں اور قائداعظم کے تصور پاکستان، ویژن، بصیرت اور فکر سے اتنا جذباتی اور ذہنی لگاؤ رکھتے ہیں کہ وہ واک آؤٹ کرنے اور ایف آئی آر کا ذکر کرنے پر مجبور ہوگئے، ورنہ وہ بھی ہماری طرح بے حسی کا مظاہرہ کر سکتے تھے، بہرحال اس واقعے سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ بنگلہ دیش میں قائداعظم کے سپاہی اور عقیدت مند موجود ہیں جو دوقومی نظریے پر یقین رکھتے ہیں، اس لئے اندرا گاندھی کا اعلان فوجی فتح کے نشے میں چور ایک سیاستدان کی بڑھک تھی اور بس .....

خیالات کو سمیٹنے کی کوشش کر رہا ہوں تو دو واقعات میرے ذہن پر بار بار دستک دے رہے ہیں حالانکہ اس طرح کے واقعات کی تعداد خاصی زیادہ ہے، بلاشبہ قائداعظم ایک مذہبی شخصیت نہیں تھے لیکن ان کے قلب وذہن میں مذہب کی اہمیت کیا تھی اور وہ اسے کیا مقام دیتے ہیں ان واقعات سے اس حقیقت کا سراغ ملتا ہے، بعض روشن خیال حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ قائداعظم پاکستان کو سیکولر ریاست بنانا چاہتے تھے نہ کہ اسلامی ریاست، میری ان سے گزارش ہے کہ اوّل تو وقت نکال کر قائداعظم کی 1940ء سے لے کر 1948ء تک کی تقاریر پڑھیں اور دوم ان واقعات کے آئینے میں قائداعظم کے ذہنی رجحان، سوچ وفکر اور ویژن کو سمجھنے کی کوشش کریں اور یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ قائداعظم ہر قدم گہرے سوچ بچار کے بعد اٹھاتے تھے۔

پہلا واقعہ تو یہ ہے کہ 1946ء میں قائداعظم نے پورے ہندوستان سے مسلم لیگ کے ٹکٹ پر منتخب ہونے والے صوبائی اور مرکزی اسمبلیوں کے اراکین کا کنونشن دہلی میں بلایا تھا جس میں مستقبل کے لائحہ عمل کا فیصلہ کرنا تھا، اس کنونشن میں متفقہ طور پر پاکستان کے مطالبے پر مہر تصدیق ثبت کی اور اس عزم کا اظہار کیا کہ وہ اپنی منزل کے حصول کیلئے ہر قسم کی قربانی دیں گے، جب قرارداد پر دستخطوں کا وقت آیا تو قائداعظم نے خاص طور پر یہ ہدایت کی کہ ہر رکن پاکستان کے حلف پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے ساتھ دستخط

کرے حالانکہ روشن خیالی فلسفے کے تحت اس کی ضرورت نہیں تھی۔

دوسرا واقعہ قیام پاکستان کے بعد کا ہے وہ یہ کہ جب پاکستان کا سبز ہلالی پرچم کے لہرانے کا موقع آیا تو قائداعظم خاص طور پر حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کو ساتھ لے کر گئے جنہوں نے قائداعظم کی درخواست پر پاکستان کا پرچم لہرایا، یہ ہرگز بلا مقصد نہیں تھا۔

اب آپ ہی بتائیے کہ کیا یہ واقعات سیکولرازم کی جانب اشارہ کرتے ہیں یا اسلامی ریاست کے قیام کی جانب؟؟ (اقتباسات بشکریہ ماہنامہ الصیانۃ)

اس پرمغز مضمون سے روز روشن کی طرح واضح ہے کہ بانی پاکستان کا مقصد یہی تھا کہ مسلمانوں کو ہندوؤں اور غیر مسلموں سے آزادی حاصل ہو اور ایک ایسا ملک انہیں مل جائے جہاں وہ اسلامی اصول کے مطابق زندگی گزار سکیں، جو حضرات اس حقیقت ثابتہ کے بعد بھی اپنی ضد پر قائم ہیں اور وہ حقیقت پر پردہ ڈالنا چاہتے ہیں اور خود گرد وغبار کا شکار ہیں انہیں سوائے اس کے اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

فسوف ترى اذا انكشف الغبار افرس تحت رجلك ام حمار

فقط

احقر سید عبدالقدوس ترمذی غفرلہ

یکم محرم الحرام ۱۴۲۸ھ

محرم الحرام ۱۴۲۸ھ فروری ۲۰۰۷ء

مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم

درس قرآن کریم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الٓمٓ ○ ذٰلك الكتٰب لاريب فيه ○هدى للّمتقين ○الذين يؤمنون بالغيب ويقيمون الصلٰوة ومما رزقنٰهم ينفقون ○والذين يؤمنون بمااانزل اليك ومااانزل من قبلك وبالاخرة هم يوقنون○اولٰئك علٰى هدى مّن ربهم واولٰئك هم المفلحون○

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم والا ہے، اس کتاب میں کچھ شک نہیں راہ بتلاتی ہے ڈرنے والوں کو جو کہ یقین کرتے ہیں بے دیکھی چیزوں کا اور قائم رکھتے ہیں نماز کو اور جو ہم نے روزی دی ہے ان کو اس میں سے خرچ کرتے ہیں اور وہ لوگ جو ایمان لائے اس پر کہ جو کچھ نازل ہوا تیری طرف اور اس پر کہ جو کچھ نازل ہوا تجھ سے پہلے اور آخرت کو وہ یقینی جانتے ہیں، وہی لوگ ہیں ہدایت پر اپنے پروردگار کی طرف سے اور وہی ہیں مراد کو پہنچنے والے۔

ربط: سورۃ فاتحہ سے اس سورۃ کا ربط یہ ہے کہ اس میں راہِ ہدایت کی درخواست کی گئی تھی اور اس میں اس درخواست کی منظوری ہے کہ یہ کتاب ہدایت ہے اس پر چلو (بیان القرآن)

سورۃ بقرہ کی وجہ تسمیہ

اس سورۃ کو سورۃ البقرہ اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں ذبح بقرہ کا واقعہ مذکور ہے جو حق تعالیٰ جل وعلا کی الوہیت اور کمالِ قدرت پر دلالت کرتا ہے اس لئے کہ ایک مقتول کا محض ایک مذبوحہ گائے کا ایک ٹکڑا لگا دینے سے زندہ ہوجانا فقط اس فعال لمایرید کا ارادہ اور مشیت کا ایک ادنیٰ کرشمہ تھا کسی مادہ اور طبیعت کے اقتضاء کو اس میں اصلاً دخل نہ تھا (معارف القرآن حضرت کاندھلوی)

سورۂ بقرہ کا خلاصہ

سورۃ بقرہ کی تشریح وتفسیر سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اس کا ایک جامع خلاصہ بیان کردیا جائے تاکہ اس کی روشنی میں اس کے مضامین کا سمجھنا آسان ہوجائے اس سلسلہ میں شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی بلند پایہ تفسیر معارف القرآن میں جو کلام فرمایا ہے وہ چونکہ نہایت جامع ہے اس لئے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں اسے ملاحظہ فرمائیں۔

سورۃ بقرہ کی تفسیر: کے عنوان پر تفصیلی کلام کرتے ہوئے حضرت کاندھلوی آخر میں یوں رقم طراز ہیں:
نیز سورۃ فاتحہ میں ہدایت اور صراط مستقیم کا ذکر تھا اور سورۃ بقرہ میں شروع ہی سے ہدایت اور صراط مستقیم کا ذکر فرمایا ھدی للمتقین الذین یؤمنون بالغیب ابتداء ہی میں ہدایت کا ذکر فرمایا اور پھر یہ بتلایا کہ صراط مستقیم کیا ہے، وہ ایمان اور تقویٰ اور اعمال صالح کی راہ ہے، گویا کہ یہ تمام سورۃ سورۃ فاتحہ کی تفسیر اور شرح ہے۔

پھر یہ بتلایا کہ یہ ہدایت کی نعمت کس کو نصیب ہوئی اور کون اس دولت وسعادت سے محروم رہا ھدی سے اولئك علی ھدی من ربھم واولئك ھم المفلحون تک اس فریق کا ذکر فرمایا جس کو ہدایت کی نعمت نصیب ہوئی اور ظاہراً اور باطناً اللہ کی ہدایت اور صراط مستقیم پر چلنے والے تھے اور پھر اہل غضب اور اہل ضلال کے دو فرقوں کا ذکر فرمایا ایک کافرین مجاہرین جو ظاہراً اور باطناً صراط مستقیم سے ہٹے ہوئے تھے، دوم منافقین جو ظاہراً صراط مستقیم پر تھے اور باطناً غضب اور ضلال کی راہ پر تھے اور چوتھی قسم یعنی جو ظاہراً تو غضب اور ضلال کی راہ پر ہو اور معناً صراط مستقیم پر ہو، یہ قسم عقلاً اور شرعاً باطل ہے، اس لئے اس قسم کا ذکر نہیں فرمایا، نیز سورۃ فاتحہ میں حق تعالیٰ شانہ کی ربوبیت اور رحمانیت اور رحیمیت کا ذکر تھا اس لئے سورۂ بقرہ کے شروع ہی میں صحیفۂ ہدایت کا ذکر فرمایا کہ جس سے بڑھ کر کوئی تربیت اور رحمت نہیں، پھر کیف تکفرون باللہ وکنتم امواتا فاحیاکم الخ میں اس ظاہری ربوبیت اور رحمت کا ذکر فرمایا جس کا تمام نوع انسانی سے تعلق ہے اور ایھا الناس اعبدوا میں تمام لوگوں کو اپنی عبادت اور بندگی کا خطاب عام فرمایا، بعد ازاں اس خاص ربوبیت اور اس خاص رحمت کا ذکر فرمایا کہ جو دو خاص فرقوں سے متعلق تھی ایک فرقۂ بنی اسرائیل دوم فرقۂ بنی اسماعیل، پھر مسئلہ ملتِ اسلام اور قبلۂ اسلام کا ذکر فرمایا اور یہ بتلادیا کہ ملت ابراہیمی اور قبلۂ ابراہیمی کا اتباع ہی صراطِ مستقیم ہے اور اس راہ سے اعراض سراسر سفاہت اور حماقت ہے اور آیت لیس البران تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب ولکن البر من امن باللہ والیوم الاٰخر والملئکۃ والکتاب میں جو ٹھیک سورۂ بقرہ کے نصف پر ہے صراطِ مستقیم کی تفصیل فرمائی کہ صراطِ مستقیم اللہ اور یوم آخرت اور ملائکہ اور انبیاء پر ایمان لانا ہے گویا کہ یہ آیت الذین یؤمنون بالغیب کی تفسیر ہے کہ غیب سے یہ چیزیں مراد ہیں کہ جو اس آیت میں مذکور ہیں، بعد ازاں اخیر سورت تک احکام کا سلسلہ چلا گیا، اخیر سورت میں امن الرسول بمااانزل الیہ من ربہ والمؤمنون کل امن باللہ وملئکتہ وکتبہ ورسلہ الاٰیۃ میں پھر صراطِ مستقیم کی حقیقت اور ایمان بالغیب کی کیفیت کو واضح فرمایا اور مغفرت اور رحمت اور نصرت کی دعاء پر سورت کو ختم فرمایا، خلاصۂ کلام یہ کہ سورۃ بقرہ کے شروع میں بھی ہدایت اور صراطِ مستقیم اور رحمت اور ربوبیت کا ذکر فرمایا اور درمیان میں بھی اور اخیر میں بھی، گویا کہ یہ تمام سورت سورۃ فاتحہ کی تفسیر اور شرح ہے۔

درس حدیث

رحمۃ الفردوس ترجمہ بہجۃ النفوس

مؤلف: حضرت امام حافظ ابومحمد عبداللہ بن ابی جمرہ الازدی الاندلسی رحمہ اللہ
مترجم: شیخ الاسلام حضرت مولانا علامہ ظفر احمد عثمانی قدس اللہ سرہ

ف: حضرات صوفیہ کے نزدیک یہ مسئلہ بدیہی اور نہایت بدیہی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اگر سلاطین دنیا کو اس دولت کا پتہ لگ جائے جو ہمارے پاس ہے تو وہ تلواریں لے کر ہم پر چڑھ آئیں اور اس کو چھیننے کی کوشش کریں، ان کو ذکر اللہ اور حضور دائم اور معرفت الٰہی میں ایسی حلاوت محسوس ہوتی ہے کہ دنیا کی کسی چیز میں وہ حلاوت نہیں ملتی، ذکر اللہ اور طاعت ان کی طبیعت ثانیہ اور غذا بن جاتی ہے، پس یہ حدیث ہی طریق تصوف کے اثبات میں تنہا کافی ہے کیونکہ حلاوت ایمان کے مطلوب ہونے میں کسی کو کلام نہیں ہوسکتا اور یہ حلاوت بدوں طریق تصوف اور صحبت صوفیہ کے نصیب نہیں ہوتی، جس کو شک ہو وہ ہر دروازہ پر جا کر دیکھ لے یہ دولت اس کو صوفیہ کے سوا کسی کے پاس نہ ملے گی اس وقت وہ اس قول کی تصدیق کرے گا۔

پس ازسی سال ایں معنی محقق شد بخاقانی کہ یکدم با خدا بودن بہ از ملک سلیمانی

اللہ اور رسول کے ساتھ محبت کی علامت حب فی اللہ اور نفرت عن الکفر ہے

(۲۹) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں جو تین باتیں بیان فرمائی ہیں وہ سب (درحقیقت) پہلی ہی بات کی طرف راجع ہیں کہ ''اللہ اور اس کا رسول سب سے زیادہ محبوب ہوں،، کیونکہ اللہ اور رسول کی محبت کو وہ باتیں لازم ہیں جو بعد میں ذکر کی گئی ہیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد جو دو باتیں بیان فرمائی ہیں ان کے ذکر سے فائدہ اور مقصود یہ ہے کہ جو کوئی اللہ اور رسول کی محبت کا دعویٰ کرے اس کو ان دو موقعوں پر اپنے نفس کا امتحان کرنا چاہئے، اگر کسی سے محبت ہو تو دیکھے کہ اس سے کیوں محبت کرتا ہے؟

اور (یہ سوچے کہ) اگر اس کو کفر پر مجبور کیا (نعوذ باللہ منہ) تو اس وقت اس کے نفس کی کیا حالت ہوگی؟ کیونکہ بعض دفعہ نفس میں اللہ و رسول کی محبت کا دعویٰ پیدا ہو جاتا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دو علامتیں بیان فرمادی جو دعویٰ اور حقیقت میں فرق کو ظاہر کرتی ہیں اور اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے وعلی اللّٰہ فتوکلوا ان کنتم مؤمنین اللہ پر بھروسہ رکھو اگر تم مومن ہو (یہاں بھی توکل کو بطور علامت ایمان کے بیان کیا گیا ہے) کیونکہ ایمان کی حقیقت یہی ہے کہ مومن اپنے پروردگار پر جملہ امور میں بھروسہ

اور اعتماد رکھے، اگر یہ بات نہیں تو وہ محض دعویٰ ہے، اسی طرح جو شخص اللہ تعالیٰ کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا دعویٰ کرے اور ان دو علامتوں میں سچا نہ نکلے تو اس کی محبت نرا دعویٰ ہے (جس میں) حقیقت نہیں ہے (الوجہ الثانی قولہ علیہ السلام ان یکون اللّٰہ ورسولہ احب الیہ الی قولہ فحبہ دعویٰ لا حقیقۃ)

ف: یہ بات مشاہد ہے کہ صرف اللہ کیلئے کسی سے محبت کرنا صوفیہ کرام میں زیادہ ہے ورنہ عام طور سے لوگوں میں جو محبت دیکھی جاتی ہے وہ کسی غرض کی وجہ سے ہوتی ہے، حب فی اللہ کا وجود زیادہ تر صوفیہ ہی میں ہے پس اس سے بھی صوفیہ کے طریق کی تائید ہوئی۔

ف: جب اللہ اور رسول کی محبت کی علامت حب فی اللہ ہے تو شیخ کو لازم ہے کہ کسی کو سلسلہ میں داخل کرنے سے پہلے اس بات کو جانچ لے کہ اس کو شیخ سے محض اللہ واسطے تعلق، محبت ہے یا اور کسی غرض کی وجہ سے ہے، کیونکہ بعض لوگ مقاصد دنیا میں کامیاب ہونے کیلئے بھی سلسلہ میں داخل ہونا چاہتے ہیں، اگر کسی کو محض اللہ کیلئے شیخ سے تعلق، محبت نہ ہو بلکہ کسی اور وجہ سے ہو اس کو داخل سلسلہ نہ کرنا چاہئے کیونکہ وہ اللہ و رسول کا طالب بن کر نہیں آیا بلکہ دنیا کا طالب ہو کر آیا ہے۔

کھانے پینے کے آداب

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کھانے کی برکت یہ ہے کہ کھانے سے پہلے اور بعد میں وضو کیا جائے (یعنی ہاتھ دھونا اور کلی کرنا) اپنی طرف سے کھاؤ برتن کے چاروں طرف ہاتھ نہ مارو (مسلم) بائیں ہاتھ سے نہ کھاؤ کیونکہ بائیں ہاتھ سے شیطان کھاتا ہے (مسلم) جو شخص جس برتن میں کھانا کھائے پھر اسے صاف کرے تو اس کیلئے برتن استغفار کرتا ہے (ترمذی) برتن کے درمیان سے نہ کھاؤ بلکہ کنارے سے کھاؤ کیونکہ درمیان میں برکت نازل ہوتی ہے (ترمذی) جب کھانا کھانے لگو تو جوتے اتار دو، اس سے تمہارے قدموں کو آرام ملے گا (درامی) جو شخص پانی پلانے والا ہو وہ سب سے آخر میں خود پینے والا بنے (مسلم) جب شوربہ پکاؤ تو پانی زیادہ ڈالو اور پڑوسیوں کا خیال رکھو (مسلم) حضور صلی اللہ علیہ وسلم تین انگلیوں سے کھانا کھاتے اور پونچھنے سے پہلے ہاتھ چاٹ لیا کرتے تھے (مسلم) برتن میں نہ سانس لو اور نہ پھونک مارو (ترمذی) کھڑے ہو کر مت پیو (مسلم) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی کھانے کو عیب نہیں لگایا دل کو بھایا تو کھالیا پسند نہ آیا تو چھوڑ دیا (بخاری) جب لقمہ گر جائے تو اٹھا کر صاف کر کے کھالینا چاہئے۔ (محمد عارف حقانی اٹک)

مرسلہ: محمد صدیق عفا اللہ عنہ

ملفوظات حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ

از جمیل الکلام بقلم فقیہ الامۃ حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی قدس سرہ

☆فرمایا تھانہ بھون میں قبرستان کیلئے جب زمین خریدی تو بعض مالکوں نے قیمت لینے سے انکار کیا، میں نے کہا اب تو لے لو پھر ہدیہ کر دینا اور مجھے اختیار رہے گا چاہے لوں یا نہ لوں، انہوں نے قیمت لے لی، پھر بعضوں نے ہدیہ بھی دیا اور زمین آ گئی، غرض بے تکلفی بڑے آرام کی چیز ہے، پھر فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے مجھے دیا ہے تو میں بے موقع کیوں لوں اور دوسروں کی یہ تکلیف کیوں گوارا کروں۔ نیز وہاں مولوی شبیر علی کے بہت سے مشاغل ہیں تجارت، زمینداری، اہتمام مدرسہ، میں پسند نہیں کرتا کہ اپنی وجہ سے کسی کا حرج کروں۔

☆فرمایا محققین کے نزدیک یہ خصلت کہ دوسرے کا کوئی احسان نہ لے ایک شعبہ ہے بخل کا، امام شافعی فرماتے ہیں کہ جو دوسروں کے یہاں کھانا کھانے سے دریغ کرے تو سمجھ لو خود کھلانے میں بھی دریغ کرے گا، اسی طرح جب میں اوروں کو تکلیف دینا نہیں چاہتا تو خیال کیجئے کہ خود بھی یہ نہیں چاہتا کہ مجھے تکلیف دی جائے، اسی لئے میں نے اسے بخل سے تعبیر کیا ہے گو یہ معصیت نہیں ہے کیونکہ ہر بخل منہی عنہ نہیں ہے صرف بخل شرعی قبیح ہے اور یہ بخل محض لغوی ہے، ہاں ایسی خدمت کیلئے اپنے کو آمادہ پاتا ہوں جس میں مجھے زائد تکلیف نہ ہو، سو تھوڑی سی تو اٹھا لیتا ہوں زیادہ نہیں، بس جی یہ چاہتا ہے کہ نہ اپنے سے کسی کو تکلیف ہو نہ دوسروں سے اپنے کو، یہ میرا طبعی وفطری مذاق ہے۔

☆فرمایا افریقہ سے ایک خط آیا تھا تحریکات کے متعلق کچھ پوچھا تھا، میں نے عذر لکھ دیا تھا تو جواب میں گالیاں آئیں، آج بھی ایک خط ایسے ہی سوالات کا آیا ہے تو میں نے ان گالیوں کو یاد کر کے سوچا کہ جواب ایسا لکھوں کہ نہ سائل کی مرضی کے موافق جواب ہو اور نہ گالیاں پڑیں، سو میں نے لکھا ہے کہ یہ سوال تنقیحات متعددہ کا محتاج ہے جس کیلئے تحریر کافی نہیں کسی محقق عالم سے زبانی حل کر لو۔

☆ایک صاحب نے دریافت کیا کہ ڈاک تو زیادہ ملنے والوں ہی کی ہوگی، فرمایا نہیں زیادہ اجانب کی ہی ہے، اور کسے کسے یاد رکھوں جسے یاد رکھنا فرض ہے وہی یاد نہیں رہتا۔

☆فرمایا ایک صاحب نے لکھا ہے کہ آپ نے مجھے بدتمیز لکھا ہے اور بزرگ تو ایسے نہیں لکھتے تو گویا بزرگوں کے خلاف کیا، یہ مجھ پر اعتراض کیا ہے، فرمایا ایسوں سے مجھے تکلیف نہیں ہوتی جو اعتقاد نہ رکھ

کراعتراض کریں ان سے اورامید ہی کیا تھی تکلیف تو ان سے ہوتی ہے جو دعویٰ تو محبت کا کریں اور پھر ستائیں۔

☆فرمایا میں نے گھر میں کہہ رکھا ہے کہ جس وقت میں آؤں آتے ہی کوئی قصہ بکھیڑے کا لے کر نہ بیٹھا کرو، جب میں بات چیت کرنے لگوں اور مزاج میں بشاشت دیکھو تب کہا کرو کیونکہ نہ معلوم باہر سے کس حال میں آیا ہوں، آدمی گھر میں آتا ہے دل بہلانے غم گھٹانے تم یہ دیکھ لیا کرو کہ اس وقت طبیعت پر کیا اثر ہے، ایسا نہ ہو کہ اور غم بڑھا دو، گھر میں آنے کی زیادہ غرض یہی ہے ورنہ اور شدید ضرورت ہی کیا ہے۔

☆فرمایا ایک صاحب بے تکلف تھے کہنے لگے تم تو نفس پرور ہو، میں نے کہا یہ تو صغریٰ ہوا اور کبریٰ کیا ہے، کیا ہر نفس پروری معصیت ہے۔

☆فرمایا، جب نیا عقد کیا تو بڑا شوو غل ہوا، لوگوں نے بہت کچھ کہا، بڑے گھر میں بہت اثر تھا، عورتیں ان کے پاس اس طرح آتی تھیں جیسے تعزیت کیلئے آیا کرتی ہیں، خیر اس پر تو میں نے کچھ نہیں کہا، پھر بعضی عورتوں نے یہ کیا کہ یہاں بھی آتیں وہاں بھی جاتیں اور یہاں کی وہاں کہتیں اور وہاں کی یہاں، میں نے قریب قریب ساری برادری کی ایسی عورتوں کو جمع کر کے کہا کہ دونوں گھر جانے کی اجازت نہیں جو یہاں آئیں وہاں نہ جائیں، جو وہاں جائیں یہاں نہ آئیں، لوگوں نے اعتراض بھی کیا کہ برادری پر حکومت کرتے ہو مگر کیا کریں دفع شر کے واسطے ضرورت تھی۔

☆ایک ذاکر کو کچھ جنون کا سا اثر ہو گیا تھا ان کے تذکرہ پر فرمایا کہ ہونے والی بات تو ہوتی ہی ہے مگر اکثر یہ دیکھا ہے کہ اس طریق میں خودرائی کرنے والے کا انجام جنون ہوتا ہے کہ خود ہی کھانا کم کر دیا، خود ہی سونا کم کر دیا، ان کی رائے بھی خاص خاص مسائل میں ایسی ہی تھی، مجھ سے ان کا بچپن سے تعلق ہے، میں دیکھ رہا ہوں ویسے بہت نیک ہیں مگر مجھے ان کی طرف سے ہمیشہ انقباض ہی رہا، بشاشت کبھی نہیں ہوئی، ایک صاحب نے سوال کیا کہ کیا نیکی اور خودرائی جمع بھی ہو جاتی ہیں، فرمایا ہاں نیکی کے ساتھ خودرائی جمع ہونے کی یہ صورت ہے کہ نیکی غیر کامل ہو یعنی صرف نماز روزہ وغیرہ تو کر لیتے ہوں مگر اخلاق کا اہتمام کافی نہ ہو، ان ہی صاحب کے متعلق فرمایا کہ ایک گفتگو ان کی مجھے یاد ہے، لوگوں کا مذاق مختلف ہے بعض یہ چاہتے ہیں کہ مجمع ہو، ان کا مذاق بھی یہی ہے، میں نے کہا تھا کہ اصلی مذاق یہ نہ ہونا چاہئے تو یہ صاحب اس مذاق کی تائید میں کہنے لگے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا واصبر نفسك مع الذين يدعون ربهم بالغداوة والعشي، اس سے اختلاط کا اصل ہونا معلوم ہوتا ہے، میں نے کہا اگر یہ مذاق اصلی ہوتا تو واصبر نہ فرماتے، لفظ صبر خود بتلا رہا ہے کہ اصلی مذاق یہ ہونا چاہئے کہ سب سے وحشت ہو سوائے اللہ میاں کے، غرض یہ صاحب اس قسم کا مذاق رکھتے تھے۔

حضرت اقدس مفتی عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ

جذبۂ تحقیق اور اس کے نتائج (قسط ۲)

ابن منصور کا ملحد ہونا

مولانا نے لکھا ہے کہ ''اسی طرح ابن منصور کی ولایت پر ایک ملفوظ فرمایا میں نے بحوالہ تاریخ اس کا ملحد ہونا ظاہر کیا تو مجھ سے اصل مواد طلب فرما کر ملاحظہ فرمایا اور خاموش ہو گئے'' (الحق)

شاید مولانا کی تحقیق میں یہ بات نہیں آسکی کہ ابن منصور کے بارہ میں حکیم الامت حضرت اقدس مولانا تھانوی قدس سرہ نے عربی میں مواد جمع فرمایا تھا، اس کی جمع اور ترتیب کا کام مکمل فرما کر حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی دامت برکاتہم نے جب حضرت اقدس کو دکھلایا تو حضرت بہت خوش ہوئے اور تقریظ میں مولانا کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ قرار دیا اور ایک قیمتی مصلی بھی بطور انعام کے مولانا کو مرحمت فرمایا تھا، حضرت اقدس رحمہ اللہ کی آخری تحقیق اس میں درج ہے اس میں ابن منصور کے ملحد ہونے کے نظریہ کی تردید دلائل سے کر دی گئی ہے، اس مجموعہ کا نام ''القول المنصور فی ابن المنصور'' ہے۔

بیان القرآن کی صریح غلطیاں

مولانا نے لکھا ہے کہ ''پھر میں نے بعد وفات بیان القرآن کی صریح غلطیوں پر ایک مضمون لکھا جسے مفتی صاحب کے البلاغ میں شائع کر دیا گیا'' (الحق) مولانا کا ایک مضمون زیر عنوان ''دو آیتوں کی تفسیر، جن میں عموماً قول مرجوح کو اختیار کیا جاتا ہے'' البلاغ ماہ محرم ۱۳۹۰ھ میں شائع ہوا تھا۔

اس کے عنوان سے تو یہی ظاہر ہو رہا تھا کہ مولانا کی یہ بحث صرف راجح مرجوح کی ہے مگر اب چار سال کے بعد مولانا کا اس کو ''بیان القرآن کی صریح غلطیوں'' کا نام دینا سخت حیرانی اور استعجاب کا باعث ہوا، اس سے مولانا نے یہ تاثر دیا ہے کہ ان کے نزدیک وہ بحث راجح مرجوح کی نہیں بلکہ غلط اور صحیح ہونے کی تھی اور بیان القرآن میں ان دونوں آیتوں کی جو تفسیر اختیار کی گئی ہے وہ غلط ہے، اس لئے اب ضروری ہو گیا کہ بیان القرآن میں ان آیتوں کی اختیار کردہ تفسیر کے دلائل کو پیش کر دیا جائے اور اس کے ساتھ ہی اس تفسیر پر مولانا کے شبہات اور ان کے جذبۂ تحقیق کا بھی جائزہ لیا جائے۔

جہادی گھوڑوں کا واقعہ

تفسیر بیان القرآن میں ذکر کردہ واقعہ کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو گھوڑوں کے

معائنہ کرنے میں جو بغرض جہاد وغیرہ رکھے جاتے تھے، اس قدر دیر ہوگئی کہ دن چھپ گیا اور کوئی معمول از قسم نماز جو واجب نہیں تھا فوت ہوگیا، بعد میں متنبہ ہوکر آپ نے ان تمام گھوڑوں کو ذبح کر دیا۔

اس تفسیر کے مطابق آیت انی احببت حب الخیر عن ذکر ربی میں عن اپنے حقیقی معنی بعد و مجاوزت کیلئے ہوگا اور آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ ''بیشک میں پروردگار کے ذکر سے غافل ہوکر مال کی محبت میں لگ گیا اور حتی توارت بالحجاب میں توارت کی ضمیر آفتاب کی طرف ہوگی جس کا ذکر آیت میں اگرچہ صراحۃً نہیں ہے، مگر اوپر اذ عرض علیہ بالعشی میں عشی کے ذکر سے اس کا ذکر مفہوم ہو رہا ہے اور تواری بالحجاب سے مجازاً غروب شمس مراد ہے اور مسحا بالسوق والاعناق میں مسح کے معنی ضرب و قطع کے ہوں گے۔

دلائل

تفسیر کشاف میں ہے والتواری بالحجاب مجاز فی غروب الشمس عن تواری الملک او المجناۃ بحجابھما والذی دل علی ان الضمیر للشمس مرور ذکر العشی و لا بد للمضمر من جری ذکر او دلیل ذکر ..... یقال مسح علا اذا ضرب عنقہ (ص ۲۸۴ ج ۲)

اکثر ائمہ مفسرین نے اسی تفسیر کو اختیار فرمایا ہے اور ایک حدیث مرفوع بھی اس کی تائید میں ذکر کی ہے۔

تفسیر درمنثور: چنانچہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر درمنثور میں معجم طبرانی، اسماعیل اور ابن مردویہ کے حوالے سے بالفاظ ذیل اس حدیث کو نقل کر کے اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے:

عن ابی بن کعب عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی قولہ فطفقت مسحا بالسوق والاعناق قال قطع سوقھا و اعناقھا بالسیف (درمنثور ص ۲۰۹ ج ۵)

علامہ ہیثمی مجمع الزوائد میں اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

اسے طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے، اس میں ایک راوی سعید بن بشیر ہیں جنہیں شعبہ وغیرہ نے ثقہ کہا ہے اور ابن معین وغیرہ نے ضعیف اور اس کے باقی رجال ثقہ ہیں (مجمع الزوائد ص ۹۹ ج ۷)

تفسیر روح المعانی: علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے بھی بعینہٖ انہی الفاظ سے اس حدیث مرفوع کو نقل کر کے مسحا کو بمعنی قطع و ضرب لینے پر دلیل قرار دیا ہے (روح المعانی ص ۱۹۳ ج ۲۳)

تفسیر ابن کثیر: حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ جیسے محقق عالم نے بھی اسی تفسیر کو ترجیح دی ہے اور ابن جریر نے جو دوسری تفسیر کو ترجیح دی تھی اس کو محل نظر قرار دیا ہے، فرماتے ہیں:

وھذا الذی رجح بہ ابن جریر فیہ نظر (تفسیر ابن کثیر ص ۳۴ ج ۴)

تفسیر معالم التنزیل میں بھی دوسری تفسیر انہ کان یمسح سوقھا و اعناقھا بیدہ یکشف الغبار عنھا حبالھا و شفقۃ علیھا کو نقل کر کے صراحۃً ضعیف قرار دیا ہے، لکھا ہے: وھذا قول ضعیف (معالم التنزیل برحاشیہ خازن ص ۵۵ ج ۴)

اصول تفسیر

مسلمہ اصول تفسیر کی رو سے بھی وہی تفسیر قابل ترجیح ہوتی ہے جو کسی مرفوع حدیث سے ثابت ہو اور بیان القرآن کی تفسیر حدیث مرفوع سے ثابت ہے۔

وجوہ ترجیح

الفاظ قرآن کے لحاظ سے اگر چہ دونوں تفسیروں کی گنجائش معلوم ہوتی ہے لیکن اوپر کی تفصیل سے بیان القرآن میں اختیار کردہ تفسیر کی ترجیح کیلئے حسب ذیل وجوہات ثابت ہوتی ہیں:

(۱) حدیث مرفوع سند حسن کے ساتھ اس کے حق میں آئی ہے۔

(۲) اکثر مفسرین اور متعدد ائمہ تفسیر نے اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے۔

(۳) اصول تفسیر کی رو سے بھی اسی تفسیر کو ترجیح حاصل ہے۔

(۴) اس تفسیر پر عن اپنے حقیقی اور معروف و عام معنی، بعد و مجاوزت پر رہتا ہے اور اسی سے احببت حب الخیر کو عن کے ساتھ متعدی کرنے کی غرض سے ذھول عن الغیر پر دلالت ہو رہی ہے۔

ان وجوہ ترجیح کے ہوتے ہوئے مولانا کا اس تفسیر کو بیان القرآن کی صریح غلطی میں شمار کرنا یقیناً ان کی صریح بے انصافی میں شمار کرنے کے قابل ہے۔

مولانا کے شبہات کا جائزہ

اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کے ان شبہات کا بھی جائزہ لیا جائے جن کو انہوں نے اس تفسیر کے خلاف پیش کیا ہے جس کو عام طور پر مفسرین نے اختیار کر لیا ہے اور حدیث مرفوع سے اس کی تائید ہو رہی ہے۔

مولانا نے لکھا ہے "یہاں عـــن کے معنی متعین کرنے میں غلط فہمی ہوئی ہے، یوں تو عام طور پر یہ حرف بعد و مجاوزت کیلئے آتا ہے اور اس اعتبار سے یہ معنی بھی صحیح ہو سکتے ہیں کہ مجھے یاد الٰہی سے بعد یا غفلت ہو گئی، مگر یہی حرف شاذ جگہ لام کے معنی میں بھی آیا ہے اور یہاں عن بمعنی لام ہے، یعنی عـن ذکـر ربی بمعنی لذکر ربی ہے۔

اب اس کے یہ معنی ہوں گے کہ مال سے جو محبت کرتا ہوں وہ بھی یاد الٰہی کیلئے ہے (البلاغ ص ۳۴)

اس کے بعد لکھا ہے:

چنانچہ وہ (گھوڑے ناقل) لائے گئے تو اظہار پسندیدگی کیلئے ان کی گردنوں اور ٹانگوں پر محبت سے ہاتھ پھیرنے لگے (البلاغ ص ۳۵)

اول تو مولانا کی نقل کردہ اس عبارت سے ہی واضح ہے کہ حرف عن کے عام معنی بعد و مجاوزت کے ہیں اور اس اعتبار سے یہ معنی بھی صحیح ہو سکتے ہیں کہ ''مجھے یاد الٰہی سے بعد یا غفلت ہوگئی'' جس کو بیان القرآن میں اختیار کیا گیا ہے تو پھر اس کو مولانا کا صریح غلطیوں میں شمار کرنا کیا ان کی زبردستی نہیں ہے؟ دوسرے یہ کہ جب بیان القرآن کی تفسیر عن کے عام طور پر استعمال ہونے والے معنی پر مبنی ہے اور اس معنی کے اعتبار سے وہ صحیح ہو سکتی ہے اور عن کے دوسرے معنی جس پر وہ اپنی تفسیر کی بنیاد رکھ رہے ہیں شاذ ہیں تو پھر تعجب ہے کہ مولانا شاذ معنی پر مبنی تفسیر کو تو صحیح کہتے ہیں اور اس کے بالمقابل معروف معنی پر مبنی تفسیر کو صریح غلط قرار دے رہے ہیں۔ کیا شاذ معنی کے خلاف معروف معنی پر مبنی تفسیر کو صریح غلط قرار دینا بھی تحقیق جدید کا کوئی اصول ہے؟

پہلا قرینہ

مولانا لکھتے ہیں: اس تفسیر کی صحت پر پہلا قرینہ تو قرآن کریم کی یہ آیت ہے نعم العبد انہ اواب (یعنی سلیمان بہترین بندہ تھے جو ہر وقت اللہ کی طرف متوجہ رہتے تھے) بھلا غور تو کیجئے کہ جو شخص اس لئے بہترین بندہ ہو کہ وہ خدا کی طرف ہمیشہ متوجہ رہتا ہو وہ کیونکر مال کی محبت میں خدا سے غافل ہو سکتا ہے (البلاغ ص ۳۵)

اواب کے معنی ہیں اللہ کی طرف رجوع کرنے والا مولانا نے اس کے معنی یہ سمجھ لئے کہ یہ رجوع الی اللہ کبھی کبھی غفلت اور ذہول سے بھی مانع ہے، حالانکہ اس لفظ میں ہی اس بات کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ اگر کسی وقت معمولی غفلت اور ذہول کا صدور ہوا بھی تو فوراً انابت اور رجوع فرما کر اس کا تدارک فرمالیا ہے۔

دوسرے یہ کہ جہادی گھوڑوں کی محبت کو توجہ الی اللہ کے خلاف سمجھنا ہی درست نہیں، کیونکہ جہاد اور آلات جہاد میں اشتغال اور مصروفیت خود توجہ الی اللہ ہی کی ایک شکل ہے اور یہ بھی محبت للہ ہی کی ایک فرد ہے، مگر یہ توجہ الی اللہ چونکہ بالواسطہ تھی اور اس وقت کے وظیفہ میں جس سے ذہول ہو گیا بلاواسطہ توجہ الی اللہ حاصل تھی، اس فرق کی بنا پر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے بلند و بالا منصب اور شان رفیع کے لحاظ سے اس کو احببت حب الخیر عن ذکر ربی سے تعبیر فرمایا اور اس کا تدارک اس طرح فرمایا کہ ایسی چیز ہی کو اللہ کی راہ میں قربان فرما دیا جو وقت خاص میں بلاواسطہ توجہ الی اللہ میں مخل ہو گئی تھی اور گھوڑوں کے ذبح

اور قربان کرنے کا حکم فرمادیا۔

اعتراض

مولانا نے لکھا ہے کہ: پہلی تفسیر پر یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ خطا تو ان سے سرزد ہوئی کہ وہ یاد الٰہی سے غافل ہوگئے اور سزا بے زبان اور بے گناہ گھوڑوں کو دی گئی کہ انہیں ہلاک کیا گیا (البلاغ) یہ ذبح جو کہ قربانی اور تقرب الی اللہ کیلئے عمل میں آیا تھا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی شریعت میں گھوڑوں کی قربانی جائز تھی اور ہماری شریعت میں گھوڑا حلال ہے تقلیل آلہ جہاد کی وجہ سے اس کا ذبح کرنا ممنوع قرار دیا گیا ہے۔

مولانا کا اس کو سزا کیلئے سمجھنا اور گھوڑوں کے بے زبان اور بے گناہ ہونے کو معصومانہ انداز میں اس طرح ظاہر کرنا جیسا کہ حلال جانوروں کا ذبح کرنا ہی مولانا کے نزدیک ان کے ساتھ کوئی بڑا ہی بے رحمانہ اور ظالمانہ سلوک ہے شرعی ذبیحہ پر اس قسم کا اظہار خیال غیر مسلموں یا آج کل کے منکرین قربانی کی طرف سے تو سنا جاتا رہا مگر مولانا کی طرف سے یہ اعتراض حیران کن اور فکر انگیز ہے۔

جنایات احرام میں جانوروں کے ذبح کرنے اور ارتکاب دم کا شریعت نے جو حکم دیا ہے کیا مولانا کا اس پر بھی یہی اعتراض ہوگا کہ جنایت تو کی مُحرم نے اور سزا بے زبان اور بے گناہ جانور کو دی گئی کہ انہیں ہلاک کیا گیا، دراصل مولانا کا یہ خیال ہی درست نہیں ہے کہ گھوڑوں کو بطور سزا کے ذبح کیا گیا تھا۔

اعتراض

مولانا نے لکھا ہے:

یہ بھی اعتراض ہوسکتا ہے کہ یہ گھوڑے اگر بیت المال کے تھے تو ان کا تلف کرنا وہ بھی اپنی تسکین نفس کیلئے خیانت ہوا اور اگر اپنے تھے تو یہ اسراف ہوا جو نبی تو نبی عام مومنین کیلئے بھی جائز نہیں (البلاغ)

ذاتی ملکیت پر بھی مولانا کا اسراف کا سوال کھڑا کردینا بڑا ہی تعجب خیز ہے اور یہ اس غلط خیال پر مبنی ہے کہ گھوڑوں کو بطور سزا کے ہلاک کردیا گیا تھا، حالانکہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس عمل کو بطور تقرب الی اللہ کے اختیار فرمایا تھا۔

حجۃ الوداع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سو اونٹوں کی قربانی فرمائی تھی کیا مولانا اس کو بھی اسراف میں داخل کریں گے؟ آخر ذہن میں یہ خیال کیوں جمالیا گیا کہ قربانی کرنے سے مال ضائع ہوتا ہے۔

اعتراض

مولانا کا ایک اعتراض یہ بھی ہے:

مسح کو ہاتھ صاف کرنے (یعنی ہلاک کرنے) کے معنی میں لینا محض تکلف بلکہ خلاف لغت ہے اور اس سے یہ لازم آئے گا کہ وضو میں جو ہمیں وامسحوابرؤسکم (یعنی اپنے سروں کو مسح کرو) حکم دیا گیا ہے یہاں بھی یہی معنی ہوں گے کہ اپنے سر صاف کرو یعنی کاٹ ڈالو (جس سے ہمیشہ کیلئے دنیا ہی سے چھٹکارا ہو جائے) کیونکہ قرآن کا ایک حصہ دوسرے کی تفسیر وتوضیح کرتا ہے، تردید نہیں کرتا (البلاغ)

وامسحوابرؤسکم سے معارضہ کر کے مسح کو بمعنی قطع لینے کا رد کرنا اس وقت درست ہو سکتا تھا اگر یہ دعویٰ کیا ہوتا کہ مسح سے ہمیشہ اور ہر حال میں قطع کے معنی ہی مراد ہوتے ہیں، حالانکہ ایسا دعویٰ نہیں کیا گیا اس آیت میں مسح کے جو معنی قطع کیلئے گئے ہیں وہ اس حدیث کی وجہ سے لئے گئے ہیں جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے، جیسا کہ وامسحوابرؤسکم میں بھی مسح کے معنی سر پر بھیگا ہوا ہاتھ پھیرنے کے اس حدیث سے لئے گئے ہیں جس نے اس آیت کے اجمال کو بیان کیا ہے، اب یہ تو مولانا ہی بتلائیں گے کہ کیا ان کے نزدیک کسی آیت کی مراد حدیث سے متعین کرنا محض تکلف میں داخل ہے؟۔

رہا مولانا کا یہ کہنا کہ ''یہ معنی خلاف لغت ہے'' علامہ زمخشری جو عربیت میں درجہ استناد رکھتے ہیں، ان کی تفسیر کشاف کے حوالہ سے اوپر اس معنی کی تائید گذر چکی ہے اور سلف کی ایک جماعت سے یہ معنی منقول ہیں، ایسی صورت میں اس کو خلاف لغت سمجھنا خود انکار لغت کے مترادف ہوگا۔ (جاری ہے)

نعمت کے اثرات نظر آنے چاہئیں

ایک روز امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اپنی مجلس میں ایک شخص کو دیکھا کہ اس نے بہت بوسیدہ اور پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے ہیں، امام صاحب رحمہ اللہ نے اس شخص سے کہا ''یہ جائے نماز اٹھاؤ اور اس کے نیچے جو کچھ رکھا ہو لے لو۔'' اس شخص نے جائے نماز کو اٹھایا تو دیکھا کہ ایک ہزار درہم رکھے ہوئے ہیں، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا: ''یہ درہم لے جاؤ اور اس سے اپنی حالت درست کر لو۔'' اب وہ شخص بولا کہ: ''میں تو مالدار آدمی ہوں، اللہ نے مجھے بہت سے نعمتیں دی ہیں، مجھے ان دراہم کی ضرورت نہیں'' امام صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا: ''کیا تم نے وہ حدیث نہیں سنی کہ اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند فرماتا ہے کہ اس کے بندے پر اللہ کی نعمتوں کے آثار دوسروں کو نظر آئیں؟ تمہیں چاہئے تھا کہ اپنی حالت ٹھیک کرتے تا کہ دیکھ کر تمہارا کوئی دوست مغموم نہ ہو۔'' (تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۳۶۱) (محمد احسان اللہ)

جمع کردہ: محمد صدیق ساہیوال

سلوک واحسان (قسط ۱)

افادات: مصلح الامت حضرت مولانا صوفی محمد سرور صاحب دامت برکاتہم شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور

بعد الحمد والصلوٰۃ:

اعوذباللّٰہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم ھل جزاء الاحسان الاالاحسان ، صدق اللّٰہ مولٰینا العظیم۔

کیونکہ یہ مجلس اصلاح باطن کے بارے میں ہوتی ہے اس لئے اصلاح باطن ہی جس کو تصوف کہتے ہیں اس کے بارے میں عرض کروں گا۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حضرت جبرائیل علیہ السلام حاضر ہوئے انہوں نے چار سوال کئے ان میں سے تیسرا سوال احسان کے بارے میں تھا، ماالایمان ،ما الاسلام ،ماالاحسان ،چوتھا متی الساعۃ قیامت کب آئے گی تو اسی احسان کو بیان فرمایا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ان تعبد اللّٰہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک ۔

احسان کی تعریف

احسان یعنی دین کا عمدہ کرنا ،عبادت کا عمدہ کرنا ، دین کے ہر کام کا عمدہ کرنا اس کو احسان کہتے ہیں، اسی احسان کو دوسرے لفظوں میں تصوف بھی کہتے ہیں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے تصوف کے دو معنی ارشاد فرمائے ہیں ایک یہ کہ پوری شریعت پر عمل کرنا اس صورت میں تو تصوف عین اسلام ہے ، دوسرے معنی بیان فرمائے ہیں اخلاق کی اصلاح ،یعنی دین کے جو پانچ حصے ہیں عقائد ،عبادات ، معاملات ، معاشرت اور اخلاق ،ان پانچوں حصوں میں سے جو پانچواں حصہ ہے اس میں ترقی کرنا ،اس کی فکر کرنا ،اس میں کمال حاصل کرنا اس کو تصوف بھی کہتے ہیں اور احسان بھی کہتے ہیں ۔حق تعالیٰ سورۃ رحمٰن میں یہی ارشاد فرما رہے ہیں ، ھل جزاء الاحسان الا الاحسان ،ھل لا کے معنی میں ہے، کہ نہیں ہے احسان کا بدلہ مگر احسان ،تم اپنے عمل کو اور عبادت کو اچھا کرو ہم تمہیں آخرت میں اچھی اچھی نعمتیں دیں گے، یہ معنی ہیں للذین احسنوا الحسنٰی وزیادۃ کا، کہ جو احسان کرتے ہیں یعنی دین کو اعلیٰ طریقے سے قائم کرتے ہیں ،اخلاق کو اعلیٰ طریقے سے بناتے ہیں، ان کیلئے جنت ہے ۔للذین احسنوا الحسنٰی وزیادۃ حسنٰی سے مراد جنت ہے اور زیادۃ سے مراد اللہ تعالیٰ کی زیارت ہے ، اس کو زیادۃ اس لئے کہا جاتا ہے کہ ہمارا کوئی عمل اس قابل نہیں

ہے جو اللہ تعالیٰ کی زیارت کا سبب بن سکے، یہ محض اللہ تعالیٰ کا زائد انعام ہے جو اہل جنت کو عطا فرمائیں گے، للذین احسنوا الحسنی وزیادۃ جو احسان کریں، عبادت کو عمدہ کریں ان کیلئے جنت ہے اور ان کیلئے ایک زائد نعمت ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی زیارت۔

احسان کے درجے

حدیث شریف میں جو احسان کا سوال کیا گیا ہے حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا ان تعبد اللّٰہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک اس کی دو تفسیریں کی گئی ہیں ایک تفسیر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے کی ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم احسان کے دو درجے بتانا چاہتے ہیں، ایک درجہ جس کا نام مشاہدہ ہے وہ یہ ہے کہ ان تعبداللّٰہ کانک تراہ کا مطلب ایسے عبادت کرو کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہو، ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں آدمی بڑی احتیاط سے عبادت کرتا ہے فان لم تکن تراہ اگر اس درجے کو تم نہیں پہنچ سکتے یعنی میں اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہوں تو پھر دوسرا درجہ اختیار کرلو (فان لم تکن تراہ فانہ یراک) تو یہی سوچ لیا کرو کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دیکھ رہے ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے یہ دوسرا درجہ قرار دیا، گویا احسان کے دو درجے ہیں، تصوف کے دو درجے بنادیئے پہلے کا نام مشاہدہ اور دوسرے کا نام مکاشفۂ قلبیہ، کشف یعنی یہ تصور کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں، لیکن علامہ نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے احسان کا ایک ہی درجہ بیان فرمایا ہے اور اسی علامہ نووی کے قول کو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے پسند فرمایا ہے کہ ایسے عبادت کرو کہ تم اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہو اگرچہ تم دیکھ تو نہیں رہے لیکن دارومدار تمہارے دیکھنے پر نہیں ہے بلکہ دارومدار اس پر ہے کہ وہ تمہیں دیکھ رہے ہیں، دونوں ایک دوسرے کو دیکھیں یا صرف ایک ذات دوسرے کو دیکھے یعنی صرف آقا دیکھے بس دارومدار اسی پر ہوتا ہے، اس لئے ہماری عبادت بلکہ پوری زندگی اس تصور کے ساتھ ہونی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دیکھ رہے ہیں، ہر وقت پوری توجہ اللہ کی طرف ہونی چاہئے۔

ایک خواب

احقر کے شیخ حضرت مفتی محمد حسن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ جن کے نام پر یہ مسجد حسن ہے اور وہ جامعہ اشرفیہ کے بانی ہیں انہوں نے مجلس میں اپنا خواب بیان فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک آدمی ہاتھوں میں تشتری پکڑے ہوئے ہے تشتری میں گوشت رکھا ہوا ہے اور وہ بھاگا جارہا ہے سامنے قلعہ ہے اس قلعہ میں کھڑکی ہے اور اس کھڑکی میں اس کا آقا بیٹھا ہوا ہے (یہاں تو کوئی آقا نہیں کیا دیکھ رہے ہو یہ تو

خواب کی بات ہے ویسے روشندان تو ہے کوئی آقا تو نہیں بیٹھا ہوا وہاں) تو بہر حال خواب میں یہ دیکھا کہ آدمی بھاگا جا رہا ہے ہاتھوں میں تشتری ہے تشتری میں گوشت ہے اور اس کھڑکی کی طرف دیکھ رہا ہے اور زبان سے یہ کہہ رہا ہے کہ میں لا رہا ہوں میں لا رہا ہوں۔

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی حیات ہی میں جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد میں جلسہ ہوا، تو مجھے بھی فرمایا گیا کہ تقریر کرو میں نے بھی تقریر کی، میں پڑھتا تھا، تو میں نے تقریر میں حضرت کا یہی خواب بیان کیا لیکن میں نے لا رہا ہوں کی بجائے آ رہا ہوں کہا، تو بعد میں حضرت نے مجلس میں فرمایا کہ تم نے جو میرا خواب بیان کیا تم نے کیوں کہا کہ میں آ رہا ہوں، میں نے بتایا تھا کہ میں لا رہا ہوں۔ مجھے پتہ نہیں تھا کہ حضرت تا رلگا کر سن رہے ہیں، حضرت صاحب نیلا گنبد مدرسہ کی عمارت میں اوپر کی تیسری منزل میں رہتے تھے تو وہاں تا رلگا کر لاؤڈ اسپیکر فٹ کیا ہوا تھا مجھے پتہ نہیں تھا میں اپنے دھیان میں تقریر کرتا رہا مجھے پتہ نہیں تھا، اگر پتہ ہوتا تو ذرا میں زیادہ احتیاط کرتا، تو خیر حضرت نے مجھے اگلے دن مجلس میں فرمایا اور حضرات بھی وہاں موجود تھے کہ تم نے جو میرا خواب بیان کیا وہ ٹھیک نہیں بیان کیا، تم نے کہا ہے کہ میں آ رہا ہوں میں نے تو کہا تھا کہ میں لا رہا ہوں۔

تو بہر حال حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ خواب ہی میں میرے استاد مولانا نور محمد صاحب مجھے فرمانے لگے کہ دیکھو اس شخص کی توجہ کتنی زیادہ ہے اپنے آقا کی طرف، آنکھیں بھی اسی کی طرف، کان بھی اسی کی طرف، ہاتھوں میں بھی اس کیلئے کوئی چیز لے کے جا رہا ہے اور زبان بھی اس طرف متوجہ ہے، زبان سے کہہ رہا ہے کہ میں لا رہا ہوں میں لا رہا ہوں اتنی توجہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف ہونی چاہئے، یہ استاد جی نے خواب میں بتایا، ایسی توجہ کہ آنکھیں، کان، ہاتھ، پاؤں، زبان بھی سب ایک ہی طرف متوجہ ہوں، یہ توجہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف ہونی چاہئے، حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ پھر میں نے یہ اپنا خواب حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ذکر کیا کیونکہ حضرت با قاعدہ حیات تھے، تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے میرا خواب سن کر یہ فرمایا کہ ہاں ایسی توجہ تو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہونی چاہئے لیکن یہ صاحب قال کی نہیں ہو سکتی صاحب حال کی ہوتی ہے۔

صاحب حال

صاحب حال کون ہوتا ہے جو اخلاق کی پوری اصلاح کرا چکا ہو، دین کا بہت زیادہ پابند ہو، دین اس کے رگ و ریشے میں رچ چکا ہو وہ صاحب حال ہوتا ہے اور یہ چیز ظاہر و باطن کی اصلاح کے بعد حاصل ہوتی ہے یہی احسان کا درجہ ہے، یہ درجہ احسان والے کو کہتے ہیں جس کو درجہ احسان مل چکا ہو یعنی ظاہر و باطن

بہت اعلیٰ قسم کا ہو، ظاہر اعمال بھی بہت عمدہ طریقے سے کرتا اور قلب کے اخلاق بھی اس نے بہت عمدہ بنالئے ہوں، برے اخلاق کی اصلاح کرائی ہو اور اچھے اخلاق کو عمدہ کیا ہو، مضبوط کیا ہو، کامل کیا ہو، یہی چیز تصوف میں ہوتی ہے کہ اخلاق کی اصلاح کی جائے۔

درجہ احسان حاصل کرنے کا طریقہ

میں نے ابھی کہا کہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ تصوف کے ایک معنی یہی پورے دین کی پابندی اور دوسرے معنی یہی اخلاق کی اصلاح، تو احسان کا درجہ اسی کو حاصل ہوسکتا ہے جو اپنے ظاہر کو بھی شریعت کے مطابق کرے، اپنے باطن کو بھی شریعت کے مطابق کرے اور اس کیلئے ایک چیز امداد کرتی ہے جس کی طرف حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے ان تعبداللّٰہ کانك تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراك یعنی یہ تصور کرنا کہ اللہ تعالیٰ ہمیں دیکھ رہے ہیں یہ بہت بڑی اصلاح کی چیز ہے اس سے اصلاح میں بہت زیادہ ترقی ہوتی ہے۔

ایک واقعہ

چنانچہ ایک بزرگ کے پاس کچھ آدمی اصلاح کیلئے آئے وہاں ٹھہرے اس بزرگ نے ان کو مراقبہ کرنے کا حکم دیا، مراقبہ کے لغوی معنی گردن جھکانا ہے، مراد اس سے سوچنا ہوتا ہے کہ دیکھو چوبیس گھنٹوں میں سے جتنا زیادہ سے زیادہ وقت تمہیں ملے اس میں تم نے اس آیت کو پڑھنا ہے اور اس کے معنی کو سوچنا ہے یہ حکم دیا کہ چالیس دن ایسا کرو آیت کونسی الم یعلم بان اللّٰہ یراہ یہ آیت نازل تو ابوجہل کے بارے میں ہوئی تھی لیکن شریعت کا اصول ہے العبرۃ لعموم الفاظ لالخصوص المورد کہ الفاظ کے اندر جو عام بات ہو اس کا لحاظ کیا جاتا ہے، تو ہر ایک کو ایک ایک کبوتر اور ایک ایک چھری دے دی، لو اس کو چھپ کر ذبح کرلاؤ، تو کوئی دیوار کے پیچھے، کوئی جھاڑی کے پیچھے، کوئی کمرے کے اندر ذبح کر کے لے آیا، ان میں سے ایک زندہ کبوتر لے آیا تو اس ایک سے فرمایا بھئی تم زندہ کبوتر کیوں لے آئے ہو چھوٹا سا کام تمہیں بتایا تھا یہ بھی تم نہیں کرسکے، زندہ کیوں لائے ہو، کیوں نہیں ذبح کیا؟ انہوں نے جواب دیا کہ حضرت آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ چھپ کر ذبح کرنا مجھے چھپنے کی جگہ نہیں ملی جہاں جاتا ہوں اللہ تعالیٰ دیکھ رہے ہوتے ہیں، فرمایا کہ تیرا مراقبہ ٹھیک ہے باقی سب کا غلط ہے، ایک پاس باقی سب فیل۔ تو یہ ایک بڑا طریقہ ہے ایک بہت بڑی تدبیر ہے جس سے آدمی گناہوں سے بچتا ہے اور نیکی کرتا ہے۔

(جاری ہے)

مولوی محمد علی اسعد متخصص جامعہ حقانیہ

وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے منظور کردہ سہ سالہ نصاب

''دراسات دینیہ'' کی ضرورت واہمیت

تعلیم وتعلم اوردرس وتدریس حصول علم کاایک ایساذریعہ ہے جس سے انسان صرف معلومات ہی حاصل نہیں کرتا بلکہ اس ذریعے سے اپنے اسلاف کے مزاج، کرداراورطویل تجربات سے فائدہ اٹھاتا ہے، تحقیق وجستجواس دنیامیں آنکھ کھولتے ہی شروع ہوتی ہے اورموت تک یہ جنون انسان کے سر پرسوار رہتا ہے، اسی وجہ سے علم وآگہی، اس عالم رنگ وبو سے واقفیت، اس دنیا کے اسرار ورموز سے باخبری ہر انسان کافطری جذبہ ہے، قرآن کریم اوراحادیث طیبہ میں علم کے فضائل ومناقب بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں، یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہم ایک ایسے عظیم الشان نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت ہیں جس کی وحی کے ابتدائی کلمات اقرأ سے شروع ہوکر علّم الانسان ما لم یعلم پرختم ہوتے ہیں، گویاپڑھنااورلکھناہی اس امت کا کام ہےاورخالق ارض وسماءنے اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کوخصوصی علوم سے نوازاجیسا کہ فرمایاعلّمك ما لم تكن تعلم (الآیہ پ ۵) نیزحضور صلی اللہ علیہ وسلم کومعلم انسانیت بنایایعلّمهم الكتٰب والحكمة (الآیہ) اورخود آپ کی زبان اقدس سے کہلوادیاانّمابعثت معلّما (مشکوٰۃ) اورآپ کواس قدرعلم ومعرفت سے نوازا کہ سابقہ ادیان وملل کے علمی ذخیروں سے استفادہ کرنے کی ضرورت نہ رہی، عرب وعجم کایہ نبی امی بالآخراس مرتبہ پرفائزہوا کہ پھرخودہی اعلان فرمادیااوتیت علم الاوّلین والآخرین۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ اصل علم (جس کے فضائل ومناقب قرآن مجیداوراحادیث شریفہ میں بیان کئے گئے) علم الٰہی ہے، یہی علم نور ہے، ذریعۂ ہدایت ہے، امراض قلب کیلئے نسخۂ شفاء ہے اورحضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کویہی علم عطافرمایاگیا، یہ قطعی اوریقینی علم ہے، اس میں کسی قسم کے شک، شبہ، جھوٹ، فریب اورکسی خلاف واقعہ بات کاگمان تک نہیں ہوسکتا، کیونکہ یہ اللہ جل شانہ کاعلم ہے جوعالم الغیب والشہادۃ ہے، اس کے بالمقابل ایک علم وہ ہے جس کاماخذ انسانی عقل ہے، جس کی بنیادانسانی تجربہ ہےاورجس کی ابتدا حواس انسانی کے احساسات سے ہوتی ہے، اس میں شک وشبہ کی گنجائش ہے، یہ ہوسکتا ہے کہ آج ایک فلسفہ کارفرماہےتو کل دوسرا، آج ایک خیال کی حکومت ہےتو کل دوسرے خیال کاراج ہے، آج ایک نظریئے کاطوطی بول رہاہےتو کل اس کی حیثیت ردی کاغذ کے برابربھی نہیں، آپ تاریخ انسانی پرنظر دوڑائیں، آپ

کونظریئے اور فلسفے بنتے اور ٹوٹتے نظر آئیں گے کیونکہ عقل انسانی محدود ہے لہٰذا اس سے حاصل ہونے والا علم بھی نامکمل اور ناپائیدار ہے، لیکن اس کے باوجود انسانی عقل وتجربہ سے وجود میں آنے والے علوم کا حصول ناجائز یا گناہ نہیں بلکہ جائز ہے اور بعض حالات میں ضروری بھی ہے، سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں مختلف خدمات اور ان سے حاصل ہونے والی سہولیات، علاج معالجہ کے نت نئے طریقے، فن جراحی کے اوزار، دفاعی ہتھیار، کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کے ذریعے وقت اور پیسے کی بچت کے نئے نئے انداز، یہ سب کچھ اسی علم کا نتیجہ اور ثمرہ ہے جو انسانی عقل وتجربہ سے وجود میں آتا ہے۔

لیکن یہ ایک تلخ حقیقت ہے جس کا بارہا مشاہدہ کیا جاچکا ہے کہ ہمارے سرکاری تعلیمی اداروں میں دینی تعلیم وتربیت کا کوئی خاطر خواہ انتظام نہیں ہے، حتی کہ بہت سے گریجویشن اور ماسٹر ڈگری کے حاملین دین اسلام کی ابتدائی معلومات تک سے ناواقف ہیں، وضو، غسل اور نماز کے فرائض وسنن اور مکروہات ومفسدات کا پتہ نہیں اور دوسری طرف مدارس دینیہ میں پڑھایا جانے والا نصاب ''درس نظامی'' اگرچہ نہایت جامع اور مفید ہے لیکن اپنے مخصوص اہداف کے پیش نظر ایسے علوم وفنون، علمی وعربی اصطلاحات اور فنی باریکیوں پر مشتمل ہے کہ اس سے صرف وہی حضرات استفادہ کرسکتے ہیں جو اپنے آپ کو علوم دینیہ کیلئے فارغ کرچکے ہوں اور ان کا مطمح نظر علوم اسلامیہ کی تحصیل، ترویج اور اشاعت وترقی ہو اور ظاہر ہے کہ ہر کوئی نہ تو اس طرح فارغ ہوسکتا ہے اور نہ ہی یہ ممکن ہے، لیکن وہ مسلمان بھائی جو بڑی عمر میں اسلامی علوم سے بہرہ ور ہونا چاہتے ہیں یا ایسے حضرات جو اپنی دیگر مصروفیات کے ساتھ ساتھ کچھ وقت فہم دین (دین کو سمجھنے کیلئے) نکال سکتے ہیں، وہ حضرات درس نظامی سے کوئی خاطر خواہ فائدہ نہیں اٹھاسکتے، اسی طرح مدارس میں بعض طلبہ ایسے ہوتے ہیں جن کے مخصوص حالات انہیں اس کی اجازت نہیں دیتے کہ وہ آٹھ سالہ کورس کی تکمیل کرسکیں، یا ایسے طلبہ جن کی ذہنی استعداد اتنی پختہ نہیں کہ وہ ان علوم وفنون پر مکمل عبور حاصل کرلیں، نیز ایسی خواتین جو گھریلو کاروبار کی وجہ سے پورے دن کی قربانی نہیں دے سکتیں، تو ایسے حضرات وخواتین اور طلبہ وطالبات کیلئے وفاق کی طرف سے کوئی منظم نصاب ونظام نہ تھا کہ یہ لوگ بھی دینی علوم حاصل کرسکیں، اللہ جل شانہ اکابر وفاق المدارس العربیہ خصوصاً رئیس المحدثین شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب زید مجدہم کو جزائے خیر عطا فرمائے جنہوں نے اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے آج سے تین سال پہلے ایک مختصر، جامع اور نہایت مفید نصاب تعلیم متعارف کرایا، بنیادی اسلامی تعلیمات اور عربی زبان وادب پر مشتمل یہ ایک آسان نصاب ہے اور میٹرک یا مڈل پاس حضرات اس سے فائدہ اٹھاسکتے ہیں۔

''دراسات دینیہ'' کے نام سے یہ نصاب تین سالوں پر مشتمل ہے،اس کا تعارف ''دراسات'' کے ایک مدرس اور جامعہ فاروقیہ کراچی کے استاذ شعبۂ کتب جناب مولانا ابوالفضیل صاحب کی درج ذیل تحریر میں پڑھئے:

بنیادی طور پر یہ نصاب ایوننگ کلاسز کے طرز پر رکھا گیا ہے ، ایک تو اس کیلئے کوئی لمبے ٹائم کی ضرورت نہیں ہے، زیادہ سے زیادہ تین گھنٹے یا اس سے بھی کم وقت میں اسے بآسانی کور کیا جاسکتا ہے، دوم اس واسطے کہ اس میں سرکاری ملازمین، اسکول، کالج سے منسلک حضرات اور کاروباری طبقہ حصہ لے سکے اور بنیادی طور پر یہ نظام ان کیلئے ہی بنایا گیا ہے، سوم تاکہ اس میں پڑھانے والے ترجیحی طور پر وہ علماء ہوں جو درس نظامی پڑھاتے ہوں کیونکہ ان کی علمی ثقاہت ، تدریسی تجربات ، وسعت مطالعہ کے باعث اس کی افادیت دوبالا ہوگی ،تاہم صبح کے اوقات میں بھی اسے پڑھایا جاسکتا ہے اور بعض مدارس میں صبح میں پڑھائے جانے کا اہتمام ہے۔

''دراسات'' کا مقصد چونکہ عام پڑھے لکھے اور دین کا درد رکھنے والے طبقہ کو اسلام کی ضروری اور بنیادی معلومات فراہم کرنا ،ان میں صالح دینی رجحانات کی آبیاری،عربی کتب اور اسلامی لٹریچر کے مطالعہ کی استعداد پیدا کرنا ہی ہے،سو ایسے انتہائی مختصر نصاب کے بارے میں یہ سوال قطعاً بے معنی اور بے محل ہوگا کہ اس کی سند کی کیا سرکاری اور علمی حیثیت ہے،ظاہر ہے کہ اس کی سند ''شہادۃ العالمیہ'' کی طرح عالم قرار پانے کی سند ہے اور نہ اس کا فاضل گریجویٹ اور ماسٹر سطح کی تعلیمی ڈگری کا حامل قرار دیا جائے گا،دراسات کا پڑھا ہوا شخص ''صالح'' کہلائے گا اور اس کی سند ''شریعہ ڈپلومہ کورس'' کی سرٹیفکیٹ سمجھی جائے گی (ماخوذ از ماہنامہ وفاق المدارس ملتان بابت ماہ شعبان المعظم ۱۴۲۷ھ)

اس کورس کا بہت سا حصہ اردو کتب پر مشتمل ہے اور عربی کتب کا صرف اتنا حصہ شامل نصاب ہے جس کی مدد سے ترجمہ وتفسیر اور احادیث کے سمجھنے میں آسانی ہو سکے، یہ کورس تین سال کے دورانیہ پر مشتمل ہے اور ہر سال وفاق کے تحت امتحان لیا جاتا ہے۔دراسات دینیہ کے اس نصاب میں چند اہم علوم وفنون جن کی تعلیم پر خصوصی توجہ دی گئی ہے مندرجہ ذیل ہیں:

(۱)ترجمہ وتفسیر (۲)حدیث (۳)فقہ (۴)عقائد واخلاق (۵)تاریخ وسیرت (۶)نحو (۷)صرف (۸)لغت وادب (۹)تجوید۔

ترجمہ وتفسیر

قرآن کریم ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے،اس کو سمجھنے کیلئے صرف اردو ترجمہ کافی نہیں بلکہ جب تک

کسی مستند ماہر اور صاحب ورع وتقویٰ شخصیت کے سامنے زانوئے تلمذ طے نہ کئے جائیں اپنی عقل سے اس کے مضامین سمجھ نہیں آسکتے، دیکھئے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین قرآن کریم کی زبان آپس میں بولتے اور سمجھتے تھے لیکن پھر بھی مطالب قرآنی کے سمجھنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے رہنمائی لینا پڑتی تھی، حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کا دو دھاگوں والا واقعہ اس کی واضح دلیل ہے، اس واسطے ''دراسات'' کے اس تین سالہ کورس میں مکمل قرآن کریم کا ترجمہ وتفسیر شامل کیا گیا ہے تاکہ قرآنی آیات کا مفہوم ومطلب اساتذہ کی زیر نگرانی پڑھا اور سمجھا جاسکے اور اس کیلئے تفسیر عثمانی کو معیار بنایا گیا ہے جو قرآن پاک کی مختصر، سہل ترین اور جامع تفسیر ہے۔

حدیث

قرآن پاک کے بعد شریعت کا سب سے بڑا ماخذ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین عالیہ اور ارشادات مبارکہ ہیں جنہیں حدیث کہا جاتا ہے، حدیث کی تعلیم کیلئے حضرت مولانا منظور احمد نعمانی صاحب رحمہ اللہ کی کتاب ''معارف الحدیث'' شامل نصاب ہے، یہ کتاب عقائد، عبادات، معاملات، اخلاقیات اور آداب زندگی سے متعلق سینکڑوں احادیث پر مشتمل ہے، عربی عبارات پر اعراب کے ساتھ ساتھ احادیث کے ترجمہ اور مختصر تشریح کا بھی اہتمام کیا گیا ہے، اس طرح یہ کتاب اردو دان طبقہ کیلئے سینکڑوں احادیث نبویہ کے سمجھنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

فقہ

فقہ میں دو کتابیں نصاب کا جزو ہیں (۱) بہشتی زیور مکمل (۲) نماز مدلل (از مولانا فیض احمد صاحب) بہشتی زیور کی تعلیم تین سال کے دورانیہ پر محیط ہے، سال اول میں حصہ اول ودوم، دوسرے سال میں حصہ سوم، چہارم اور تیسرے سال میں حصہ پنجم، ششم، ہفتم اور ہشتم پڑھائے جاتے ہیں، نماز مدلل ایسی کتاب ہے جس میں نماز سے متعلق تمام ضروری مسائل کا احاطہ کیا گیا ہے۔

عقائد واخلاق

عقائد واخلاق کے حوالے سے مختلف کتب شامل نصاب ہیں جن کے اسماء یہ ہیں (۱) تعلیم العقائد (۲) عقائد علماء دیوبند (از حضرت اقدس فقیہ العصر مفتی سید عبد الشکور صاحب ترمذی قدس سرہ) (۳) حیات المسلمین (۴) آداب المعاشرت (۵) تعلیم الدین، مؤخر الذکر تینوں کتابیں حضرت اقدس حکیم الامۃ قدس سرہ کی تصنیفات ہیں اور مجلس صیانۃ المسلمین کے مقرر کردہ ''اصلاحی نصاب'' کا جزو ہیں۔

سیرت وتاریخ

سیرت وتاریخ کی مستند معلومات حاصل کرنے کیلئے مندرجہ ذیل کتب ''دراسات'' کے نصاب کا حصہ ہیں:

قصص النبیین مکمل پانچ حصے، سیرت الرسول صلی اللہ علیہ وسلم، سیرت خلفاء راشدین اور سیر الصحابیات۔

نحو، صرف، لغۃ وادب

عربی زبان سے واقفیت چونکہ اسلام کی حقیقی صورت اور اس کا مزاج سمجھنے کیلئے ضروری ہے اس لئے مدارس دینیہ میں عربی زبان وادب، عربی تحریر وتقریر اور انشاء پردازی پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے، جملوں کی تحلیل وترکیب اور ان کے باہم ربط کا انداز اگر معلوم ہو تو ترجمہ کرنے میں آسانی رہتی ہے، اس لئے دراسات میں عربی زبان وادب اور صرف ونحو پر خصوصی توجہ دی گئی ہے، صرف ونحو (گرامر) کی تعلیم کیلئے علم الصرف، علم النحو، عوامل النحو اور مأۃ عامل جیسی فنی کتب داخل نصاب ہیں اور ادب عربی کی تعلیم کیلئے مولانا عبدالستار خان صاحب کی کتاب ''عربی کا معلم'' شامل نصاب ہے، یہ کتاب چھوٹے بڑے عربی اردو جملوں اور مضامین کے ساتھ ساتھ اپنے موضوع پر ایک رہنما کتاب ہے۔

علم تجوید

تجوید وقراءت کی نسبت سے باقاعدہ مشق کے ساتھ ساتھ حکیم الامت مجدد الملت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی مایہ ناز کتاب ''جمال القرآن'' بھی شامل نصاب ہے۔

یہ مختصر اور سرسری سا جائزہ دراسات دینیہ کے حوالے سے آپ حضرات کی خدمت میں پیش کیا گیا ہے لیکن ؎

شنیدہ کے بود مانند دیدہ ترا دیدہ ویوسف راشنیدہ

اس کی افادیت ونافعیت تو اسی وقت کھل کر سامنے آئے گی جب اس مختصر کورس کو پڑھا اور پڑھایا جائے گا، اس کورس کی اہمیت کے پیش نظر امید ہے کہ علماء کرام اپنے حلقۂ احباب میں اس کو زیادہ سے زیادہ متعارف کرائیں گے اور منبر ومحراب کے ذریعے یہ آواز دور دور تک پھیلے گی وما ذلك على الله بعزيز۔

چند گزارشات

(۱) ایسے حضرات جو کسی سرکاری ملازمت یا ذاتی کاروبار سے منسلک ہوں، فہم دین کا شوق رکھتے ہوں اور اس کام کیلئے رات کا وقت فارغ کرسکیں، ان احباب کیلئے علماء کرام مساجد یا مدارس میں نماز مغرب یا

عشاء کے بعد تین گھنٹے پر مشتمل کلاس کا آغاز کردیں اور وفاق کا منظور کردہ نصاب دراسات دینیہ پڑھائیں۔

(۲) ایسے طلباء کرام جو کسی بھی وجہ سے درس نظامی کی تکمیل نہ کرسکیں ان کو یہ نصاب پڑھا دیا جائے تاکہ ما لا یدرك کلّه لا یترك کلّه پر عمل ہو سکے۔

(۳) خواتین میں دینی تعلیم کا رجحان بہت تیزی کے ساتھ بڑھ رہا ہے لیکن وقت کی قلت ایک بہت بڑا مسئلہ ہے، اس لئے مدارس بنات کے ذمہ دار حضرات بجائے عالمات فاضلات تیار کرنے کے اس نصاب کو ترویج دیں، ان شاء اللہ تعالیٰ اس کے مفید ثمرات سامنے آئیں گے، نیز اس طرح ان مفاسد کا بھی سدباب ہوسکتا ہے جو اس وقت ہمارے لئے ایک چیلنج بنتے جارہے ہیں، دراسات کے اس کورس کے بعد عالمہ فاضلہ ہونے کا علمی پندار بھی پیدا نہ ہوسکے گا۔

(۴) اکابر وفاق سے انتہائی عاجزانہ اور دردمندانہ التماس ہے کہ ایسے طلبہ جو قرآن پاک حفظ وناظرہ پڑھانا چاہیں ان کیلئے اس کورس کو لازمی قرار دیا جائے تاکہ درجۂ حفظ میں ہونے والی بے اعتدالیوں کا کچھ سدباب ہوسکے، یہ کتنی عجیب بات ہے کہ پرائمری کے استاد کیلئے تدریبی کورس پاس کرنا ضروری ہو اور کتاب اللہ کا مدرس بننے کیلئے نہ تربیت ضروری ہے نہ استعداد۔

آخر میں میری وطن عزیز کے تمام علماء کرام سے گزارش ہے کہ آپ حضرات اگر اپنی مساجد و مدارس میں دیگر خدمات کے ساتھ ایک اور ''دینی خدمت'' کا اضافہ کرلیں تو امید ہے کہ ہمارے بہت سے سادہ لوح احباب ان ڈاکٹرز، پروفیسرز اور اسکالرز کے دام فریب سے بچ جائیں گے جو فہم قرآن کے نام پر گمراہی، اکابر بیزاری اور دینی امور میں رائے زنی جیسے کانٹے بو رہے ہیں۔

وفاق کی طرف سے حجت تام ہوچکی ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ حضرات علماء کرام وفاق کے ساتھ کتنا تعاون کرتے ہیں۔

ارباب وفاق اگر اس نصاب میں وراثت اور علم منطق کے ابتدائی اور بنیادی رسائل بھی شامل فرمادیں تو اس نصاب کی جامعیت وافادیت میں امید ہے کہ مزید اضافہ ہوجائے گا، اسی طرح اگر بعض دیگر اہم وضروری مضامین بڑھا کر اس کا دورانیہ چار ہی سال کردیا جائے تو شاید یہ بھی بے جا نہ ہوگا۔

انتخاب محترم جناب سید شمشاد حسین صاحب

محافظین قرآن خلفائے خداوندی ہیں

حدیث میں آتا ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آتی تھی تو فرماتے ہیں کہ میں ایسی آواز سنتا ہوں کہ کانها صلصلة علی صفوان جیسے چکنے پتھر پر لوہے کی زنجیر کھینچو تو اس سے ایک جھنجھناہٹ اور گونج کی آواز پیدا ہوتی ہے، اس سے پھر الفاظ بنتے ہیں، پھر معانی القاء ہوتے ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ نزول قرآن میں صوت کا بھی دخل ہے، فقط لفظ ہی نہیں کہ قلب کے اوپر آ گئے، بلکہ سنائے گئے، اور جب سنائے جائیں گے تو بہر حال لب ولہجہ بھی ہوگا، اس لب ولہجہ کی حفاظت کیلئے اللہ نے مستقل طبقہ کھڑا کر دیا، وہ مجودین کا طبقہ ہے، تو حقیقت میں یہ خلفائے خداوندی ہیں، اصل پڑھنے والے حق تعالیٰ ہیں، تلاوت کرنے والے وہ ہیں، حافظ قرآن وہ ہیں، قرآن میں خود فرمایا گیا ہے انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحفظون ہم نے اتارا ہمیں محافظ ہیں، نیز فرمایا نتلوا علیك من نباء موسیٰ وفرعون اے پیغمبر ہم آپ پر موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے واقعہ کی تلاوت کرتے ہیں، تو معلوم ہوا اصل میں تلاوت کنندہ حق تعالیٰ ہیں، اور فرمایا فاذا قرأنه فاتبع قرآنه اے پیغمبر جب ہم قراءت کریں تو سنتے رہا کریں، معلوم ہوا کہ قاری بھی حق تعالیٰ ہیں، تو قاری بھی وہ، تلاوت کنندہ (تالی) بھی وہ، حافظ بھی وہ، یہ اس کا فضل ہے کہ جو حفظ کر لیتا ہے تو کہتے ہیں کہ آج سے جو لقب ہمارا تھا وہ تمہارا بھی ہے۔

جنت میں خط و کتابت

حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ جنت والوں کو نشاط دلانے کیلئے حق تعالیٰ خط و کتابت کریں گے، ملائکہ خطوط لے کر آئیں گے، جس سے میں مزاج پرسی، حالات کا پوچھنا اور حالات کا بتلانا بھی ہوگا، اور اس نشاط کی کیا انتہا ہوگی جو اہل جنت محسوس کریں گے، تو حق تعالیٰ خطوط بھیجیں گے، ملائکہ چٹھی رساں کے طور پر خطوط لے کے آئیں گے، ان خطوط پہ لفافے کے الفاظ کیا لکھے ہوں گے؟ لکھا ہوا ہوگا من عزیز الرحیم الی العزیز الرحیم، عزیز رحیم کی طرف سے یہ خط عزیز رحیم کو پہنچے، تو عزیز رحیم اللہ کا لقب ہے اور اہل جنت کو دے دیں گے، مگر یہ قرآن کریم کی خاصیت ہے کہ اس کے پڑھنے والے کو دنیا ہی میں وہ لقب دے دیں گے جو ان کا اپنا لقب ہے، کہ ہم حافظ تو تم بھی حافظ، ہم قاری تو تم بھی قاری، ہم تالی تو تم بھی تالی، تو حقیقت میں مجودین، خلفائے خداوندی ہیں، ان کو خلافت عطا کی گئی ہے، کسی کو علم کی خلافت ملی، کسی کو اخلاق کی خلافت ملی، انہیں کلام خداوندی کی خلافت ملی، کہ اللہ متکلم ہیں تو یہ بھی متکلم، تو اس سے بڑھ کر کیا اعزاز ہو سکتا ہے۔ (خطبات حکیم الاسلام ج ۱ ص ۲۰۵، ۲۰۶)

چودھری علی اکبر وینس بہاولنگر

حضرت مولانا فضل محمد رحمہ اللہ

پیدائش:13اپریل 1903ء وفات:23فروری 1981ء

خالق کائنات نے جس طرح محض اپنے فضل وکرم سے اس خاکی پتلے کی جسمانی نشوونما اور حیات وبقاء کیلئے ہر اس چیز کو پیدا فرمایا جس کی اس کو ضرورت تھی، غذا، آب وہوا، چاند، سورج اور ستارے غرضیکہ کائنات ارضی وسماوی کی تقریباً ہر شے کو انسان کے مصالح کیلئے تخلیق فرمایا، اسی طرح انسان کی قلبی وروحانی بقاء وارتقاء کیلئے اولیاء کرام، صوفیا ومشائخ اور علماء کو ذمہ داریاں سونپیں۔

برصغیر پاک وہند میں اسلام کی کرنیں انہیں لوگوں کی شب وروز کی محنت کی بدولت پھیلیں، برصغیر پاک وہند کی معروف ریاست بہاولپور جس میں ایک ایسی ہی برگزیدہ ہستی نے اپنے علم وفضل للّٰہیت، زہد تقویٰ سے لوگوں کی کایا پلٹ دی، اس عظیم بزرگ ہستی کا نام مولانا فضل محمد رحمہ اللہ ہے، ان کی شخصیت اندرون وبیرون ملک کسی تعارف کی محتاج نہیں، زندگی کے مختلف شعبوں میں انہوں نے قابل رشک خدمات سرانجام دیں مگر ان کی زندگی کے دو پہلو نہایت روشن وتابناک ہیں، دین اسلام کی تبلیغ اور انسانیت کی بے لوث خدمت۔

مولانا فضل محمد ۱۴محرام الحرام ۱۳۲۱ھ بمطابق 13اپریل 1903ء کو ضلع جالندھر کی بستی اسماعیل پور کی شاخ منگووال میں پیدا ہوئے، آپ کے والد محترم کا نام کریم بخش تھا، ابتدائی تعلیم آپ نے اپنے گاؤں میں ہی حاصل کی، سند فراغت آپ نے ایشیاء کی عظیم الشان اسلامی یونیورسٹی دارالعلوم دیوبند (انڈیا) سے حاصل کی، آپ شیخ العرب والعجم مولانا سید حسین احمد مدنی، شیخ المعقول والمنقول مولانا محمد ابراہیم بلیاوی، مولانا سید اصغر حسین شاہ صاحب، مولانا اعزاز علی، مولانا رسول خان صاحب رحمہم اللہ کے مایہ ناز شاگردوں میں سے تھے، آپ کی پوری زندگی جدوجہد اور ملک وملت کی ہمہ جہت خدمات سے عبارت تھی، تعلیم، تدریس، تذکیر وتبلیغ غرضیکہ ہر میدان میں آپ کی دینی خدمات کے انمٹ نقوش ثبت ہیں، مولانا فضل محمد حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے حد درجہ کے دیوانے تھے، کئی سال خانقاہ امدایہ تھانہ بھون میں حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کے پاس رہے، اس زمانہ میں یہ خانقاہ علم وعرفان کا سرچشمہ تھی، تھانہ بھون کی خانقاہ میں آپ کے قریبی ساتھی مولانا سید شمس الحسن تھانوی، مولانا محمد احمد سکھر والے، مولانا یامین تھانوی رحمہم اللہ تھے۔

تقریباً پون صدی قبل ریاست بہاولپور کے صحراؤں سے شرک وکفر اور بدعات کا شور اٹھ رہا تھا،

گناہ معصیت نے شرافت وحیا کا لبادہ اوڑھ لیا، جنوب مشرق کا پورا علاقہ کفران وعصیان کا مرکز تھا، قدیم دیہاتوں کی آبادی قرآن وحدیث کی ابدی روشنی سے نا آشنا تھی، مسلم گھرانے تک کلمہ طیبہ کے حقیقی مفہوم سے عاری تھے، یہاں کے لوگوں کی مثال ایسی تھی جیسے کوئی مسافر منزل مقصود پر پہنچنے سے قبل راستہ بھول کر دور افتادہ پہنچ گیا ہو، اسے منزل کی جستجو کیلئے ایک راہرو منزل کی ضرورت ہو، دفعتاً اس چٹیل صحرا میں ایک منزل آشنا ہدایت کی قندیل لے کر نمودار ہوا، مشاطہ قدرت نے جس کے خدوخال سنوارے تھے، تائید ایزدی جس کے شامل حال تھی، علم وحکمت کی خلعت سے جو مرصع تھا، تقویٰ وللّٰہیت سے جس کی سیرت چمک رہی تھی، اس عظیم بزرگ نے ریاست بہاولپور کے دور افتادہ بہاولنگر کے ایک گاؤں ۱۱۰ سکس آر میں ڈیرے ڈالے اور دیکھتے ہی دیکھتے ہزاروں کی تعداد میں لوگ ان کے دیوانے ہوگئے، آپ کی علمی وجاہت اور اخلاص کی بدولت صحراء کے سینے سے توحید وسنت کے نغمات گونجنے لگے، مولانا فضل محمد قرآن وحدیث، فقہ، صرف ونحو، معانی، علم وادب پر کامل دسترس رکھتے تھے۔

آپ نے 1937ء میں فقیر والی نامی ایک قصبہ میں جامعہ قاسم العلوم نامی ادارے کی بنیاد رکھی، ادارے کی افتتاحی تقریب میں حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری، شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری، رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی اور میرے والد محترم سمیت علاقہ کے معروف زمینداروں نے شرکت کی، مولانا نے اس قدر محنت اور جانفشانی کا مظاہرہ کیا کہ آج پوری دنیا میں یہ چھوٹا سا قصبہ ایک عظیم اسلامی درسگاہ کے عنوان سے متعارف ہے، ضروری تھا کہ ایسی نادرہستی کی سوانح نقوش زیب قرطاس ہوکر نئی نسل کیلئے رہنما ثابت ہو، حضر مولانا فضل محمد کے بارے میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے کہا ''مولانا نہایت ہی نیک اور صالح انسان ہیں''، شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نے کہا ''مولانا فضل محمد کے حسن انتظام اور خوبی تعلیم وتربیت پر کامل اطمینان ہے'' مولانا منظور احمد نعمانی مدیر ماہنامہ الفرقان لکھنؤ لکھتے ہیں ''میں نے ابتداء مدرسہ میں ظہر کی نماز ان کی اقتداء میں پڑھی، ایسی نماز مجھے عمر بھر میں کبھی ہی نصیب ہوئی ہوگی''، مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع فرماتے ہیں ''مولانا فضل محمد سے مل کر جو کیفیت مجھ پر طاری ہوئی وہ میں بیان کرنے سے قاصر ہوں''، خواجہ خواجگان حضرت مولانا خان محمد صاحب فرماتے ہیں ''مولانا فضل محمد اکابرِ حق کی زندہ نشانی تھے''، محدث العصر مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید فرماتے ہیں ''مولانا فضل محمد علم وحکمت اور رشد وہدایت کا ایک سمندر تھے''، معروف ریسرچ اسکالر علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر محمد میاں صدیقی لکھتے ہیں ''مولانا کے علم وفضل، زہد وتقویٰ نے مجھے بے حد متاثر کیا'' ممتاز

اسلامی دانشور جسٹس ریٹائرڈ مولا محمد تقی عثمانی فرماتے ہیں "مولانا فضل محمد کے علم اور تقویٰ وطہارت کا گہرا نقش دل پر ثبت ہے"۔

مولانا فضل محمد رحمہ اللہ نے جب ادارہ کی بنیاد رکھی اس وقت وہ دور تھا جب برصغیر کے مسلمان انگریز سامراج سے آزادی حاصل کرنے کیلئے جدوجہد شروع کر چکے تھے، آپ صاحب علم اور دور اندیش تھے، انگریزوں اور ہندوؤں کے ظلم وستم کا بچشم خود وسیع مشاہدہ رکھتے تھے، آپ نے تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لیا، آپ نے اتباع شریعت کو راہِ نجات قرار دیا اور خود بھی شریعت کے پابند تھے، متبعین کو بھی شریعت کی حدود کا خیال رکھنے کا حکم دیتے، آپ اکثر فرماتے جس فعل سے شریعت کے کسی حکم کی خلاف ورزی ہو رہی ہو وہ فعل انسان کو زندیق بنا دیتا ہے، آپ کو ایک اعلیٰ سرکاری افسر نے پانچ مربع زمین دینے کی کوشش کی تو آپ نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ زمین لینے سے میری توجہ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے ہٹ جائے گی، ایک دفعہ پاکستان کے ایک معروف گدی نشین آپ کے پاس آئے تو انہوں نے آپ سے کہا میں آپ کو ایک وظیفہ بتاتا ہوں آپ پڑھ لیا کریں تو روزانہ آپ کو ۱۰۰ روپے مل جایا کریں گے، فرمایا "میں نے سوچ کر وظیفہ کبھی نہیں پڑھا اس میں خدا پر بے اعتمادی کا شائبہ ہے، جب میرا خدا مجھے ۱۰۰ روپے سے کہیں زیادہ عنایت فرماتے ہیں تو ناشکری ہے کہ میں ۱۰۰ روپے کیلئے وظیفہ پڑھوں"۔

مولانا فضل محمد رحمہ اللہ ایک بلند پایہ عالم دین اور اکابر واسلاف کی ایک عملی یادگار نمونہ تھے، انہوں نے ساری زندگی اسلام کی ایسے طریقے سے خدمت فرمائی گویا وہ اسی کام کیلئے پیدا ہوئے ہیں، آپ ایک سچے عاشق رسول، مسکینوں، یتیموں، بیواؤں، غریبوں اور مسافروں کے ہمدرد تھے، آپ کی سخاوت اور دریا دلی مشہور تھی، آپ کی اعلیٰ سماجی، سیاسی، فلاحی، مذہبی، ملکی اور دینی خدمات کے اعتراف میں آپ کو ۱۳۸۲ھ میں یونین کونسل کا ممبر نامزد کیا گیا۔ اور ۱۳۸۳ھ میں آپ کو حکومت پنجاب نے سیشن کورٹ بہاولنگر میں مشیر برائے امور شرعی نامزد کیا، ۱۳۸۶ھ میں آپ کو اعلیٰ خدمات سرانجام دینے پر حکومت پنجاب نے حسن کارکردگی ایوارڈ دیا۔ آپ نے ہر تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تحریک پاکستان، تحریک ختم نبوت، تحریک آزادی کشمیر، تحریک بنگلہ دیش نامنظور، تحریک نظام مصطفیٰ میں بھرپور کردار ادا کیا۔ آپ اپنی وسیع آفاقی سوچ کے ساتھ زندگی بھر مصروف عمل رہے، رفاہی، خیراتی اداروں کا قیام، تبلیغی وتربیتی مراکز کی تاسیس، لائبریری، مساجد کا قیام، سماجی، مذہبی، فلاحی اداروں کی تشکیل اور علمی وتحقیقی ادارے جامعہ قاسم العلوم کا قیام آپ کے عظیم کارناموں میں شامل ہے، آپ کے شاگرد لاکھوں کی تعداد میں اس وقت دنیا بھر میں علم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی

قندیلیں روشن کررہے ہیں، آپ طلبہ سے بے پناہ محبت وشفقت فرماتے اور کہتے دین کے طالب علم مہمانانِ رسول ہیں، آپ طلبہ کی تربیت اس طریقے سے کرتے جیسے کوئی نہایت شفیق مہربان باپ اپنی اولاد کی کرتا ہے ، جب کبھی مدرسہ میں تنگی ہوئی تو طلبہ واساتذہ کو لے کر دو رکعت نماز نفل مسجد میں ادا کر کے دعا کرتے ، اکثر دیکھنے میں آیا وہ ابھی دعا ختم نہیں کرتے تھے کہ کوئی نہ کوئی شخص طلبہ کیلئے کھانا لے کر حاضر ہو جاتا ، اور اکثر فرماتے جو شخص لوگوں کا مقتداء اور رہنما ہو اسے اپنے کاموں میں سادگی اختیار کرنی چاہئے تا کہ اسے دیکھ کر اس کے پیروکار اور ماتحت بھی سادگی اختیار کریں۔

مولانا فضل محمد رحمہ اللہ نے 1976ء میں حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی ، حج سے واپسی پر آپ بیمار رہنے لگے لیکن اپنے روزہ مرہ کے معمولات میں کمی نہ آنے دی، روزانہ طلبہ کا کھانا ، انکی تعلیمی رپورٹ اور مدرسہ کا حساب کتاب چیک کرتے ، 18 مارچ 1980ء کو دس افراد کے قافلے کی قیادت کرتے ہوئے دارالعلوم دیوبند کے صد سالہ اجلاس میں شریک ہوئے ، واپسی پر آپ کی طبیعت مزید خراب ہوگئی ، بالآخر دین اسلام کی قندیلیں روشن کرنے والا یہ مرد درویش 78 برس آفاق عالم پر اپنے علم ، زہد وتقویٰ کی کرنیں بکھیرنے کے بعد 23 فروری 1981ء کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے اپنے پیچھے لاکھوں سوگوار چھوڑ کر ابدی نیند سوگیا، زندگی بھر والد محترم اور مولانا کی دوستی مثالی رہی ، ان کی وفات کے بعد مولانا کے لائق فائق صاحبزادے مولانا محمد قاسم قاسمی کو ادارہ کا مہتمم نامزد کیا گیا، انہوں نے اپنے نامور والد کی روایات کو جلا بخشنے کیلئے پاکستان کے عظیم علمی مرکز کے انتظام وانصرام اور اس کی تعمیر وترقی کو اپنا نصب العین بنایا، جامعہ کی لائبریری بلاشبہ ملک کی بڑی لائبریریوں میں سے ایک ہے، جس میں تقریباً تیس ہزار کے قریب کتب موجود ہیں، جن میں نایاب قلمی قرآنی نسخے اور کتب موجود ہیں ، جامعہ اور اس کی لائبریری پر بارہا ملکی وغیر ملکی ذرائع ابلاغ خصوصی فیچر نشر کر چکے ہیں، یہ لائبریری آپ کے ذوق علمی اور شوق مطالعہ کا غماز ہے، ادارہ کے ناظم اعلیٰ برخوردار حافظ مسعود قاسم قاسمی نقشبندی مجددی ایک جید عالم دین ہیں، وہ اپنی خداداد صلاحیتوں کی بناء پر ادارہ کی تعمیر وترقی میں بھرپور کردار ادا کر رہے ہیں، جامعہ کا سالانہ خرچہ اس وقت چالیس لاکھ روپے اور اٹھارہ سو من گندم سالانہ ہے، اس وقت جامعہ قاسم العلوم ملک کے چند بڑے مرکزی اداروں میں سے ایک ہے، ہزاروں لوگ قرآن وسنت کے علوم سے بہرہ ور ہو کر اندرون ملک وبیرون ملک شجر اسلام کی آبیاری اور ولی کامل مولانا فضل محمد رحمہ اللہ اور ادارے کا نام روشن کر رہے ہیں۔

مولانا ابو احمد نور محمد قادری تونسوی

حیات قبر اور انسِ میت کی حدیث

برادران اسلام! قرآن مجید کی آیات کثیرہ اور احادیث متواترہ سے عالَمِ قبر و دوزخ کی کارروائی اور جزا و سزا ثابت ہے اور اسی پر اجماع امت ہے کہ مرنے کے بعد بجز حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ہر مردہ انسان کے پاس حساب لینے والے فرشتے آتے ہیں اور آ کر اس سے تین سوال کرتے ہیں۔

چونکہ بوقت سوال مردہ انسان کی طرف اعادۂ روح ہوتا ہے تو وہ نکیرین کے سوالات کو سنتا اور سمجھتا ہے اور صحیح یا غلط جواب بھی دیتا ہے، اس حساب کے بعد ارواح کا دنیوی جسد سے ایک خاص قسم کا تعلق رہتا ہے جس کی وجہ سے وہ قبر کے عذاب و ثواب کو محسوس کرتا ہے، البتہ اس اعادۂ روح اور تعلق روح کی کنہ و کیفیت اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں، قبر کی یہ کارروائی ہر مردہ کے ساتھ پیش آتی ہے خواہ وہ اس قبر معروف میں دفن کیا جائے یا کسی وجہ سے اس معروف قبر میں دفن نہ ہو سکے، بہر حال ہر مردہ کو قبر کی اس کارروائی سے سابقہ پڑتا ہے اگر چہ وہ جس حالت میں مستحیل ہو جائے، تو قبر کی یہ کارروائی جزا و سزا حیات قبر کی واضح دلیل ہے، کیونکہ عذاب قبر کو حیات قبر لازم ہے، اگر مردہ انسان میں کسی درجہ کی بھی حیات نہیں ہے، نہ شعور ہے، نہ ادراک و احساس تو عذاب قبر کا کیا مطلب؟ البتہ قبر کی یہ حیات اور مردہ کا ادراک و شعور ہماری نظروں سے اوجھل رہتا ہے کیونکہ یہ عالَمِ غیب کی چیز ہے جس پر بن دیکھے ایمان لانا ضروری ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب امور کی ہمیں اطلاع دی ہے جس پر امنّا و صدقنا کہنا ہر مسلمان کا فریضہ ہے، نیز حیات قبر اور شعور میت کے ساتھ ساتھ انس میت بھی صحیح حدیثوں سے ثابت ہے، کہ مردہ انسان کی قبر پر جو زائرین حاضر ہوتے ہیں خصوصاً وقت دفن وہ ان سے انس پکڑتا ہے، چنانچہ اس سلسلہ کی ایک حدیث صحیح مسلم میں موجود ہے جس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

حدیث مسلم بر اُنس میت

حضرت عبدالرحمٰن بن شماسہ المہری رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں کہ ہم لوگ بغرض عیادت حضرت عمرو بن العاص صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے جبکہ وہ موت کے قریب ہو چکے تھے، ان کا رخ دیوار کی طرف تھا اور ان پر گریہ طاری تھا، ان کے بیٹے نے تسلی دینے کیلئے کہا اے ابا جان! کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو فلاں فلاں خوشخبری نہیں دی؟ تو حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ہماری طرف متوجہ ہوئے

اور فرمایا ''ہم جس چیز کو سب سے افضل شمار کرتے ہیں وہ کلمۂ شہادت ہے یعنی گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، لیکن میری زندگی کے تین دور گزرے ہیں پہلا دور تو حالت کفر کا تھا جبکہ میں مسلمان نہیں ہوا تھا، اس وقت مجھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض تھا، میں چاہتا تھا کہ کسی نہ کسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قابو پالوں تو آپ کو قتل کر ڈالوں، اگر اس حالت میں میری موت آجاتی تو میں یقیناً جہنمی ہوتا، پھر میری زندگی کا دوسرا دور شروع ہوا، اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں ایمان و اسلام کی محبت ڈال دی اور اسی غرض سے میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اپنے ہاتھ پھیلایئے میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ پھیلائے تو میں نے اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ پیچھے کرنے کی وجہ دریافت فرمائی، میں نے عرض کیا میں شرط لگانا چاہتا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کیا شرط ہے؟ میں نے عرض کیا میری شرط یہ ہے کہ میرے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''اے عمرو! کیا تجھے معلوم نہیں ہے کہ اسلام، ہجرت اور حج پچھلے گناہوں کو مٹا دیتے ہیں'' تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا، تو اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مجھے سب سے زیادہ محبوب نظر آتے تھے اور میری آنکھوں میں جتنی عظمت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی اتنی کسی کی نہ تھی، حتی کہ آپ کے رعب و جلال کی وجہ سے میں آنکھ بھر کر آپ کو نہ دیکھ سکتا تھا، یہی وجہ ہے اگر کوئی شخص مجھ سے حضور کی شکل و صورت پوچھے کہ کیسی تھی تو میں بیان نہ کرسکوں گا، اگر اس حالت پر مجھے موت آجاتی تو میں اہل جنت سے ہوتا، اس کے بعد میری زندگی کا تیسرا دور شروع ہوا، ہم پر امور مملکت کا بوجھ ڈالا گیا، اب میں نہیں جانتا کہ اس میں میرا حال کیا رہا'' پھر حضرت عمرو بن العاص نے وصیت کرتے ہوئے فرمایا کہ ''جب مجھ پر موت واقع ہو جائے تو میرے جنازہ کے ساتھ ماتم کرنے والی عورتیں بھی نہ ہوں اور آگ بھی نہ ہو اور پھر جب مجھے دفن کر دو تو میری قبر پر اچھی طرح مٹی ڈالنا اور میری قبر کے اردگرد اتنی دیر کھڑے رہنا جتنی دیر میں اونٹ ذبح کر کے اسکا چمڑا اتار کر اور اس کے گوشت کو کاٹ کر تقسیم کر دیا جاتا ہے، تاکہ تمہاری موجودگی اور دعاء وغیرہ کی برکت سے میرا دل مانوس رہے اور میں معلوم کرلوں کہ حساب لینے والے فرشتوں کو میں کیا جواب دوں'' (بحوالہ مسلم شریف ص ۷۶ ج ۱)

خلاصۂ حدیث

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا عقیدہ یہ تھا کہ اس زمین والے گڑھے کو اصطلاح شریعت میں قبر کہتے ہیں اور اسی ارضی قبر میں حساب لینے والے فرشتے آتے ہیں

اور اسی قبر میں حساب و کتاب اور جزا و سزا ہوتی ہے اور مردہ انسان قبر پر حاضر ہونے والوں سے انس پکڑتا ہے خصوصاً بوقت دفن، حضرت عمرو بن العاص نے جب یہ وصیت فرمائی اس وقت حاضرین کا ایک مجمع تھا کیونکہ راوی حدیث حضرت عبدالرحمٰن بن شماسہ المہری جمع کا صیغہ دخلنا استعمال فرمارہے ہیں، حضرت عمرو بن العاص کے بیٹے بھی موجود تھے، ان کے علاوہ دوسرے رشتہ داروں کا موجود ہونا بھی قرین قیاس ہے، اس سارے مجمع نے حضرت عمرو بن العاص کی وصیت کو سنا اور اس پر نکیر نہیں فرمائی بلکہ سکوت کیا جس سے معلوم ہوا کہ ان سب کا عقیدہ وہی تھا جو حضرت عمرو بن العاص کا تھا ورنہ کوئی نہ کوئی ضرور نکیر کرتا کہ حضرت عمرو بن العاص بھول گئے ہیں کیونکہ یہ زمین والا گڑھا تو قبر نہیں ہے، قبر تو روح کے مقام کو کہتے ہیں یا علیین اور سجین کے مقام کو کہتے ہیں، یا اعتراض کرتے کہ اس قبر میں تو فرشتے نہیں آتے اور نہ ہی اس قبر میں حساب و کتاب ہوتا ہے وہ تو کسی اور مقام میں ہوتا ہے، یا اعتراض کرتے کہ مردہ انسان قبر پر کھڑے ہونے والوں سے انس نہیں لیتا وغیرہ وغیرہ، تو معلوم ہوا ان سب حاضرین کا عقیدہ وہی تھا جو حضرت عمرو بن العاص کا تھا، پھر بعد از وفات بوقت دفن یہ لوگ یقیناً وصیت کے مطابق ان کی قبر پر کھڑے ہوئے ہوں گے، تو دفن کے وقت جتنے لوگ حاضر تھے وہ صحابی ہوں گے یا تابعی، ان لوگوں نے بھی اس پر نکیر نہیں فرمائی تو معلوم ہوا وہ اس عقیدہ میں حضرت عمرو بن العاص کے ساتھ متفق تھے، پھر صحابی رسول کی یہ وصیت صحابہ اور تابعین کے دور میں نقل ہوتی رہی لیکن کسی نے اس پر نکیر نہیں فرمائی، پھر علماء و محدثین نے اس حدیث کو پڑھا اور پڑھایا اور ایک دوسرے تک پہنچایا حتی کہ یہ حدیث نقل ہوتی چلی گئی جو آج بھی کتابوں میں موجود ہے، آج بھی دنیا میں ہزاروں ایسے مدارس موجود ہیں جن میں مسلم شریف کی یہ حدیث پڑھی اور پڑھائی جاتی ہے لیکن پورے چودہ سو سال گزر جانے کے بعد بھی کسی مفسر، محدث، فقیہ، متکلم، مجتہد اور امام نے اس پر نکیر نہیں فرمائی، معلوم ہوا حضرت عمرو بن العاص کا یہ عقیدہ پوری امت کا اجماعی عقیدہ ہے، کیونکہ اس عقیدہ پر کسی دور میں بھی نکیر نہیں ہوئی تو معلوم ہوا جس طرح عذاب قبر یعنی حیات قبر اور میت کا ادراک و شعور اور علم و فہم کسی نہ کسی درجہ میں احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اسی طرح انس میت بھی صحیح حدیث سے ثابت ہے، ہاں قبر کی یہ حیات ہر مردہ کو درجہ بدرجہ حاصل ہوتی ہے لیکن حضرات انبیاء کرام خصوصاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس حیات میں امتیازی اور خصوصی شان رکھتے ہیں، لیکن قبر کے سوال و جواب سے بالاجماع انبیاء کرام مستثنیٰ ہیں۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صراط مستقیم پر استقامت نصیب فرمائے اور ہر قسم کی بے دینی اور بے راہ روی سے محفوظ رکھے، آمین۔

یادرفتگاں

پروفیسر ایم ۔اے۔عثمانی

شیخ القراء مولانا قاری محی الاسلام پانی پتی رحمہ اللہ (قسط۲)

ابا جان غالباً ۱۸۷۸ء میں پیدا ہوئے ،اس کا تعین دو شواہد سے ہوتا ہے، اول تو اماں جان فرمایا کرتی تھیں کہ ہماری شادی ۱۸۹۷ء میں ہوئی اس وقت میری عمر سولہ سال اور تمہارے والد کی عمر ۱۹ سال تھی، دوسرے ابا جان خود حافظ قاری نورالہدیٰ کے تذکرہ میں کہتے ہیں ''احقر کی عمر آپ کے انتقال کے وقت دس سال کے قریب تھی اور پندرہ سپارے پڑھ چکا تھا'' اور قاری صاحب موصوف کی تاریخ انتقال ۱۳ر جون ۸۸ء درج فرمائی ہے، ایک روایت کے مطابق ۲۴ر ذیقعدہ ۱۲۹۵ھ کو پیدا ہوئے جو پیر کا دن تھا اور شمسی حساب سے تاریخ ۱۹ر نومبر ۱۸۷۸ء بنتی ہے، چونکہ تین بہنوں کے اکلوتے بھائی تھے لہٰذا ناز ونعم میں پرورش ہوئی، ہمارے دادا قاضی مفتاح الاسلام رحمہ اللہ درویش منش بزرگ تھے ''دنیا سے متنفر اور بیگانہ رہتے تھے'' پانچ بار حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی اور آخری حج کے سوا ہر بار چھ چھ مہینہ یا اس سے زیادہ مجاور حرمین رہے، اس کے علاوہ نجف اشرف، کربلاء معلیٰ، کاظمین اور بغداد میں دو سال سے زیادہ معتکف رہے، ہندوستان کے مزارات میں سب جگہ چلے کئے ، بالخصوص خواجگان اجمیر، دہلی ، پاک پتن اور پیران کلیر کے مزارات پر بار بار حاضر ہوتے تھے، نتیجہ یہ تھا کہ خانگی زندگی نہ ہونے کے برابر تھی، ہماری دادی جان نے اپنی زندگی زیادہ تر میکہ ہی میں گزاری، ان کے والد مولوی اکرام اللہ صاحب رحمہ اللہ بڑے بلند پایہ عالم، خوش حال زمیندار اور بااثر رئیس تھے، مولوی اکرام اللہ رحمہ اللہ کے انتقال کے بعد ان کے صاحبزادے مولوی سلامت اللہ صاحب اپنے والد کے صحیح جانشین ہوئے ، وہ بھی بڑے عابد اور شب زندہ دار بزرگ تھے، اکثر وقت عبادت میں گزارتے تھے، غرض ابا جان کی پرورش ننھیال میں ہوئی، ان کی پھوپھی بشیر النساء بیگم اپنے والدین کی سب سے بڑی اولاد تھیں اور ہمارے دادا جان سے بمنزلہ ماں کے سلوک کرتی تھیں انہیں بھتیجے سے عشق تھا اور انہوں نے بھی ابا جان کی تربیت میں بہت حصہ لیا۔

ابا جان کی زندگی کا غالباً دوسرا بڑا علمی کارنامہ تفسیر مظہری کی تسوید وتصحیح ہے، متاخرین میں یہ سب سے اہم اور سب سے مستند تفسیر ہے جسے عالم بے بدل حضرت مولانا قاضی ثناء اللہ صاحب محدث پانی پتی نے اپنے مرشد حضرت مرزا مظہر جان جاناں شہید کی یادگار کے طور پر اٹھارہ سال کے عرصہ میں ۱۲۱۲ھ ۱۷۹۷ء میں مکمل کیا، حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ کا ذکر مقصود نہیں صرف ان کے علوم رتبت کے بارے میں دو

روایات بطور تبرک عرض کرتا ہوں، مشہور ہے کہ آپ جس وقت حضرت شہید رحمہ اللہ کی مجلس میں حاضر ہونے کو ہوتے تھے حضرت والا اپنے قریب جگہ خالی کرا دیتے تھے اور حضرت قاضی صاحب وہاں آ کر نہایت ادب سے بیٹھ جاتے تھے، ایک دن کسی نے حضرت مرزا صاحب رحمہ اللہ سے پوچھا "کیا حضور کو از روئے کشف قاضی صاحب کے آنے کی خبر ہو جاتی ہے جو حضور ان کے واسطے جگہ خالی کرا لیتے ہیں" فرمایا نہیں ، جب میں دیکھتا ہوں کہ فرشتے تعظیماً کھڑے ہونے لگے ہیں تو میں سمجھ جاتا ہوں کہ قاضی صاحب آتے ہیں اور ان کیلئے جگہ خالی کرا دیتا ہوں۔

حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ اس مرتبہ کے فقیہ تھے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث رحمہ اللہ آپ کو بیہقی وقت کہا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ قاضی صاحب تقویٰ و پرہیز گاری اور اتباع سنت میں اللہ تعالیٰ کی آیات (نشانیوں) میں سے ایک آیت (نشانی) ہیں۔

ایک مرتبہ کسی نے حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی سیرت کے بارے میں سوال کیا، فرمایا، تأمل کرو، تمہیں مثال دکھاؤں گا، ایک روز حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی مجلس وعظ و تذکیر میں قاضی صاحب موجود تھے، شاہ صاحب رحمہ اللہ نے آپ کی طرف اشارہ کر کے سائل کو بتایا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم ایسے ہوتے تھے، قاضی صاحب نے تفسیر مظہری چھ ضخیم جلدوں میں تقریباً چار ہزار بڑے سائز کے صفحات پر تحریر فرمائی، آیات کی تفسیر میں احادیث پر انحصار کیا اور ہر حدیث کی درجہ بندی با اعتبار فن حدیث فرمائی، جب سے یہ تفسیر شائع ہوئی ہے مسلمانوں کے تمام مکاتب فکر میں یکساں مقبول و محترم ہے ، ایک طرف سرخیل علماء دیوبند حضرت مولانا محمد شفیع نے اپنی تفسیر "معارف القرآن" کو تمام و کمال تفسیر مظہری سے ماخوذ فرمایا، دوسری طرف بریلوی مکتب فکر کے علماء کے مستند امام حضرت مولانا پیر محمد کرم شاہ صاحب نے اپنی تفسیر ضیاء القرآن میں حضرت قاضی صاحب کا ذکر انتہائے احترام و محبت سے کیا ہے، حضرت کی زندگی میں بھی اور حضرت کے بعد بھی بعض علم دوست حضرات نے تفسیر کی قلمی نقول تیار کرائیں لیکن عرصہ دراز تک کسی کو مکمل تفسیر طبع کرانے کی سعادت حاصل نہ ہوئی، حضرت کے انتقال کے بعد دو پشتوں تک حضرت کا کتب خانہ محفوظ رہا، لیکن پھر خاندان مخدوم کبیر الاولیاء کی اس شاخ میں وہ شمع علم گل ہو گئی جو حضرت کے صاحبزادے خواجہ محمد ابراہیم رحمہ اللہ کے زمانے سے روشن چلی آتی تھی، کتب خانہ نا اہل اور قدر ناشناس ہاتھوں میں پڑ کر تقریباً تباہ ہو گیا، اکثر کتابیں ضائع ہو گئیں جو باقی بچیں انہیں کیڑے کھانے لگے، انہی میں وہ بے بدل تفسیر بھی شامل تھی، جب اللہ تعالیٰ نے علم کی اس مشعل کا وراث ابا جان کو کیا تو خاندان کے کسی بزرگ

نے ان کی توجہ اس کام کی طرف دلائی، خود ابا جان لکھتے ہیں ''ایک خضر صفت بزرگ کی رہنمائی، اعانت اور سرپرستی نے مجھے اس پر آمادہ کیا کہ میں اس کو تمام و کمال شائع کروں'' بس پھر وہ اس دھن میں لگ گئے۔

کام شروع کیا تو مشکلات کا اندازہ ہوا، تفسیر کی ضخامت کے علاوہ نسخہ کی بوسیدگی ہمت شکن تھی، بعض جگہ سے پڑھنا محال ہو چکا تھا، مزید طرہ یہ کہ ''اصل'' نسخہ بھی حضرت محدث کے ہاتھ کا لکھا ہوا نہیں تھا، بلکہ یہ وہ نسخہ تھا جسے حضرت محدث کے نواسہ نے کسی ایسے کاتب سے نقل کرایا تھا جو ''عربی زبان سے ناآشنا اور قواعد رسم و تحریر'' سے نابلد تھا، اس نے ہزاروں جگہ نادانی سے غلطیاں کر دیں، حتی کہ قرآن پاک بھی صحیح نہیں لکھا، ہزاروں مقامات پر الفاظ چھوڑ دیئے، جنہیں حاشیہ پر نقل کیا، صدہا جگہ عبارات دوبارہ لکھ دیں، کئی جگہ تقدیم و تاخیر کا تصرف کر دیا۔

میں اپنے بارہ بھائی بہنوں میں سب سے چھوٹا ہوں، جب میں نے ہوش سنبھالا تو ابا جان کی عمر پچپن سال کے لگ بھگ ہوگی، اس زمانہ میں وہ اس تفسیر کی تسوید و تصحیح میں مصروف تھے، بڑے دالان کے کمانچہ میں چار تخت جوڑ کر بچھائے گئے تھے، ان سے ایک قسم کی وسیع شاہ نشین یا اسٹیج بن گیا تھا، اس پر دری کے اوپر چٹی سفید چاندنیوں کا فرش لگا ہوتا تھا اور ابا جان کا گاؤ تکیہ، پانوں کا خاصدان اور اگالدان رکھے ہوتے تھے، ابا جان نیم استادہ ہو کر لکھتے تھے، وہ ہمیشہ نفیس ترین سیاہ روشنائی اور اعلیٰ درجہ کا قلم اور کاغذ استعمال کرتے تھے، لکھائی چھوٹی چھوٹی، نہایت صاف اور خوبصورت تھی، اگر پڑھنے والا نفس مضمون سے واقف ہو تو پڑھنے میں دقت نہیں ہوتی تھی، جوان بیٹے بیٹی کے انتقال کے صدمہ سے ہاتھ میں رعشہ آ گیا تھا لیکن پورا ہاتھ ٹکا کر لکھتے تھے تو تحریر میں رعشہ کا اثر ظاہر نہ ہوتا تھا، صبح سے لے کر رات گئے تک وہ اسی کام میں منہمک رہتے تھے، احادیث و روایات کی وہ تمام کتابیں جمع کی جن سے تفسیر کی تسوید میں مدد لی جا سکتی تھی، جب کام کرتے تھے تو گرد و پیش کتابوں کا حصار بن جاتا تھا، جو الفاظ و عبارات ضائع ہو گئے تھے ان کے ماخذ تلاش کئے جاتے تھے، ابا جان کے شاگرد خاص ان کی اعانت کرتے تھے اور جب تک احادیث کے مجموعوں میں وہی عبارت یا روایت لفظ بلفظ نہ مل جاتی تھی جس کی تصحیح مقصود تھی تلاش جاری رہتی تھی، اس طرح برس ہا برس کی کاوش اور جانکاہی کے بعد پوری تفسیر کا مسودہ مکمل کیا۔ (پانی پت کے قاری)

(جاری ہے)

خواتین کا صفحہ مولانا محمد عبداللہ چنیوٹی

اولاد کے اولین حقوق

جس طرح اولاد پر والدین کے حقوق ہیں اسی طرح والدین پر اولاد کے بھی حقوق ہیں جو والدین ان حقوق کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق ادا کرتے ہیں ان کی اولاد ان کیلئے ہی نہیں بلکہ اپنے لئے بھی دنیا وآخرت میں بہترین سرمایہ ثابت ہوتے ہیں، پھر ایسی اولاد بھی اپنے والدین کے حقوق کی ادائیگی کا اہتمام کرتی ہے، اس طرح وہ اولاد صدقہ جاریہ بن جاتی ہے۔

اولاد کے حقوق میں سب سے پہلا حق یہ ہے کہ جب وہ پیدا ہو تو اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی جائے۔ ترمذی شریف میں روایت ہے کہ حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو (اپنے نواسے) حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے کان میں نماز والی اذان پڑھتے ہوئے دیکھا (جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں ان کی ولادت ہوئی۔ کنز العمال میں مسند ابو یعلی کے حوالے سے حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نومولود بچے کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت پڑھنے کی تعلیم وتربیت دی۔ اس کی برکت اور تاثیر کا بھی ذکر فرمایا کہ اس کی برکت سے بچہ ام الصبیان کے مرض سے (جو کبھی شیطانی اثرات سے بھی ہو جاتا ہے) محفوظ رہتا ہے، نیز اس کی ایک برکت یہ بھی ہے کہ چونکہ اس سے شیطان بھاگتا ہے اس لئے بچے کی حفاظت بھی رہتی ہے۔ اذان واقامت کا کہنا گویا کہ اس بات کی دعوت ہے کہ اے بندۂ خدا تیری زندگی اتنی ہے جتنی کہ اقامت کے بعد امام تکبیر تحریمہ کہتا ہے تو اس قلیل عمر کو اپنے رب کو راضی کرنے میں گزار دے کہ تیرا رب ناراض نہ ہو۔

اولاد کا دوسرا حق تحنیک اور دعائے برکت ہے۔ ہمارے معاشرے میں بچہ کے کان میں اذان واقامت کا تو اہتمام کرتے ہیں لیکن تحنیک کا اہتمام نہیں کرتے۔ تحنیک کیلئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے نومولود بچوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لاتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھجور وغیرہ چبا کر اس بچے کے تالو پر مل دیتے اور اپنا لعاب دہن اس کے منہ میں ڈال دیتے جو خیر وبرکت کا باعث ہوتا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خیر وبرکت کی دعا بھی فرماتے۔

بچوں کا صفحہ

اشعب لالچی

اہل عرب میں اشعب نامی ایک صاحب لالچی ہونے میں بہت مشہور تھے، یہاں تک کہ ان کا لقب ''طامع'' (لالچی) مشہور ہوگیا، اصمعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ کچھ بچے اشعب کے پیچھے لگ گئے اور اسے طرح طرح سے ستانے لگے، اشعب عاجز آ گیا تو اس نے بچوں سے کہا: ''ارے جاؤ، سالم بن عبداللہ کھجوریں بانٹ رہے ہیں۔'' بچے یہ سن کر حضرت سالم کے گھر کی طرف دوڑ پڑے۔ اشعب نے یہ دیکھا تو خود بھی بچوں کے پیچھے دوڑنا شروع کر دیا کہ ''کیا خبر یہ بات سچ ہی ہو اور سالم واقعی کھجوریں بانٹ رہے ہوں۔'' (آدم خان کوئٹہ)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی فراست

ایک شخص امام ابوحنیفہ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ بہت عرصہ ہوا میں نے اپنا کچھ مال کسی جگہ دفن کیا تھا، اب وہ جگہ یاد نہیں آ رہی، کوئی تدبیر بتایئے؟ امام صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ کوئی فقہ کی بات تو ہے نہیں، البتہ ایک تدبیر بتاتا ہوں، گھر جاؤ اور آج ساری رات نماز پڑھو، امید ہے کہ ان شاء اللہ تمہیں وہ جگہ یاد آ جائے گی۔ وہ شخص چلا گیا۔ ابھی چوتھائی رات ہی گزری تھی کہ اسے وہ جگہ یاد آ گئی، اس نے جا کر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو بتایا تو انہوں نے کہا مجھے یہی خیال تھا کہ شیطان تمہیں ساری رات نماز نہیں پڑھنے دیگا، لیکن تمہیں چاہئے تھا کہ جگہ یاد آنے کے بعد بھی پوری رات نماز پڑھتے رہتے اور اس طرح اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے۔ (محمد عطاء اللہ سرگودھا)

بھول اور یاد

علامہ ابن عابدین شامی نے حضرت ہشام کلبی سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک بار حافظہ کی تیزی کا ثبوت ایسا دیا کہ شاید کسی نے نہ دیا ہو، اور ایک مرتبہ مجھ سے بھول بھی ایسی ہوئی کہ شاید کسی سے نہ ہوئی ہو۔ میرے حافظہ کی تیزی کا عالم تو یہ ہے کہ میں نے قرآن کریم صرف تین دن میں یاد کر لیا تھا، اور بھول ہوئی تو ایسی کہ ایک دن میں خط بنانے بیٹھا، ڈاڑھی کو مٹھی میں لے کر نیچے کے بال کاٹنا چاہتا تھا، مگر بدحواسی میں مٹھی سے اوپر کے بال کاٹ ڈالے، اور پوری ڈاڑھی ہاتھ میں آ گئی۔ (تراشے) (فخر عباس)

چور کیلئے دعا

حضرت ربیع بن خیثم مشہور محدث اور ولی اللہ ہیں عبادت و زہد میں اپنی نظیر آپ تھے، ایک مرتبہ ان کا ایک گھوڑا چوری ہوگیا، لوگوں نے کہا کہ چور کیلئے بددعا کر دیجئے، حضرت ربیع نے فرمایا نہیں! اس کیلئے یہ دعا کر رہا ہوں کہ اگر وہ مالدار ہے تو اللہ اس کے دل کی اصلاح کر دے اور اگر وہ تنگ دست ہے تو اسے خوشحالی عطا فرمائے (حلیۃ الاولیاء ص ۱۱۱ ج ۲) (محمد نعمان لکی مروت)

امداد السائل فی الاحکام والمسائل فقیہ العصر حضرت مفتی سید عبد الشکور ترمذی قدس سرہ

الاستفتاء

کیا ہر وصیت کو پورا کرنا ضروری ہے؟

سوال: خلاصۃ الفتاویٰ میں وصیت کے متعلق ایک عبارت نظر سے گزری ہے اس پر غور فرماویں ولو اوصی ان یدفن بمقبرۃ کذا بقرب فلان الزاھد یراعی شرطہ بان لم یلزم فی الترکۃ مؤنۃ الحمل اس سے معلوم ہوا کہ جس وصیت میں مفادیت ہو اس کو پورا کیا جائے۔

الجواب: علامہ شامی رحمہ اللہ نے بھی خلاصہ سے اس روایت کو نقل کیا ہے مگر جلد اول میں علامہ نے اس وصیت کو صحیح نہیں کہا، فرماتے ہیں وکذا تبطل لواوصی بان یکفن فی ثوب کذا او یدفن فی موضع کذا (ج ا ص ۶۱۷) اور درمختار کے باب الوصیۃ میں ہے اوصی بان یصلی علی فلان اویحمل بعد موتہ الی بلد اخر اویکفن فی ثوب کذا الخ فھی باطلۃ، معلوم ہوا کہ حمل من بلد الی بلد آخر کی وصیت غیر نافذ ہے اور خلاصہ کی عبارت محمول ہے اس پر کہ ایک ہی بلد کے مختلف مقابر میں سے کسی خاص تعلق سے ایک مقبرہ کی وصیت کر دی گئی ہو تو اس کے نفاذ میں چونکہ شرعی محذور نقل من بلد الی آخر نہیں تھا اس وجہ سے اس کی رعایت کرنے کا جواز نکل آیا، البتہ اگر اس کے حمل میں بھی مؤنت لازم آتی ہو (یعنی جبکہ اس مقبرہ سے قریب دوسرے مقبرہ سے ضرورت پوری ہو جاتی ہو اس میں مؤنت لازم نہ آتی ہو) تو اس کا بار ترکہ پر نہ ڈالا جائے کیونکہ ترکہ میں سے بقدر ضرورت ہی خرچ کیا جاتا ہے۔

خلاصہ کی عبارت جائے موت کے مختلف مقابر میں سے کسی ایک مقبرہ کی تعیین کو بذریعہ وصیت جائز قرار دیتی ہے اس لئے اس عبارت میں بمقبرۃ کذا اور نہی کی عبارت میں من بلد الی بلد ہے۔

تأمل فانہ دقیق وبالتأمل حقیق ھذا ما القی فی روعی ولعلّ اللّٰہ یحدث بعد ذٰلک امرا۔ ۱۵ محرم الحرام ۱۳۸۳ھ شنبہ

مکتوب گرامی بخدمت جناب حکیم محمد اختر صاحب مدظلہم (کراچی)

لاعلم لنا کی توجیہ

معرفت الٰہیہ کے ص ۲۶۴ پر ماذا اجبتم کے جواب میں انبیاء علیہم السلام کے لاعلم لنا فرمانے کی توجیہ جو کی گئی ہے کہ عظمت وقہاریت کی شان کے مشاہدہ سے انبیاء علیہم السلام کے بھی ہوش اس وقت بجا

نہ رہیں گے، غلبۂ ہیبت حق سے امت کی طرف سے دیے ہوئے جوابات یاد نہ آ سکیں گے الخ۔

اس کے متعلق میں نے لاہور کی حاضری میں عرض کیا تھا کہ اس توجیہ کے بالمقابل دوسری توجیہ کو اہل تفاسیر نے پسند کیا ہے کہ یہ نفی علم باعتبار باطن کے ہے، حاصل جواب انبیاء علیہم السلام یہ ہے کہ ہم کو امتیوں کے صرف ظاہر احوال کا علم ہے، ان کے باطن حال کو اے اللہ تعالیٰ آپ ہی جانتے ہیں، ہم کو اس کا علم نہیں کیونکہ آپ ہی غیب کے جاننے والے ہیں، لا علم لنا کی تعلیل میں انّك انت علاّم الغیوب فرمانا اسی توجیہ کے مناسب معلوم ہوتا ہے، حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی تفسیر بیان القرآن میں اس آخری توجیہ کو ہی اختیار فرمایا ہے اور علامہ خازن نے توجیہ اوّل کو نقل کر کے اس پر لا یحزنھم الفزع الاکبر سے تصادم کا اشکال فرمایا ہے۔

میری عرض کے جواب میں آپ نے فرمایا تھا کہ ''کتاب معرفت الٰہیہ حصہ ثانی کا مقصد عظمت شان حق کے آثار کا بیان ہے، یہ کوئی علمی کتاب نہیں، حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے اپنی شان علمی کے مطابق تفسیر میں دوسری توجیہ کو اختیار فرمایا ہے کیونکہ بیان القرآن کے مقصد تفسیری کے وہ زیادہ مناسب ہے اور معرفت الٰہیہ کے مقصد کے مناسب توجیہ اوّل ہے اس لئے اس کتاب میں توجیہ اوّل کو اختیار کیا گیا ہے کہ اس میں عظمت و ہیبت حق کے اثر کا بیان ہے اور بعض مفسرین نے اس توجیہ کو نقل بھی فرمایا ہے''۔ شاید میں آپ کے جواب کو پوری طرح ضبط کر سکا ہوں یا نہیں مگر بحمد اللہ مجھے اس جواب سے تسلی ہوگئی اور بڑی خوشی اس بات پر ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ببرکت صحبت حضرت والا دامت برکاتہم شبہات و اشکالات کے حل کرنے کی قابلیت و لیاقت اور خوب استعداد عطا کی ہے، اللہ تعالیٰ اس میں مزید ترقی اور استحکام عطا فرمائیں۔

اس ہیچمدان کا اشکال تو حل ہوا اور اس توجیہ کے اختیار کرنے کی وجہ بھی معلوم ہوگئی لیکن خیال آتا ہے کہ اگر اس مقام پر حاشیہ وغیرہ کی شکل میں اس قسم کی کوئی عبارت تحریر کر دی جائے تو دوسرے حضرات کیلئے بھی دافع اشکال ہوگی، شاید کسی اور کو بھی یہ اشکال پیش آئے، مثلاً عبارت یہ ہو کہ ''آیت ہٰذا کی یہ تقریر منجملہ توجیہات منقولہ محتملہ کے ایک توجیہ پر کی گئی ہے اور یہ توجیہ چونکہ مقصود مقام کے مناسب اور مطابق تھی اس لئے اس جگہ اس کا اختیار کرنا مناسب تھا اگرچہ تحقیقی اور علمی طور پر دوسری توجیہات منقولہ تفاسیر اس توجیہ کے مقابلہ میں راجح اور قوی ہیں''۔

وقت اشراق کی تحقیق

دوسری گزارش یہ تھی کہ ملفوظات (حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب پھولپوری رحمہ اللہ) میں

ہے کہ حضرت گنگوہی کی تحقیق ہے کہ سورج کی ٹکیہ نکلنے کے بعد سے ہی اشراق کا وقت شروع ہو جاتا ہے، لیکن تذکرۃ الرشید میں ص ۱۹۱ پر حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کا جواب منقول ہے کہ اشراق کا وقت بلندی یک نیزہ سے شروع ہو کر ایک ربع دن تک رہتا ہے الخ، نیز علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ینبغی تصحیح ما نقلوہ عن الاصل للامام محمد من انّہ ما لم ترتفع الشّمس قدر رمح فھی فی حکم المطّلوع لانّ اصحاب المتون مشوا علیہ فی صلوۃ العید حیث جعلوا اوّل وقتھا من الارتفاع (ج ۱ ص ۲۵۹) امید ہے کہ رائے عالی سے مطلع فرما کر ممنون فرمائیں گے۔ ۲ر صفر ۱۳۸۳ھ

تین طلاق اٹھائی کہ میں تمہارے کام میں شریک نہیں ہوں گا

سوال : میں نے غصہ کی حالت میں تین طلاق اٹھائی ہیں کہ میں تمہارے کام میں شریک نہیں ہوں گا اور مقصد یہ تھا کہ اس کی شادی میں نہیں بیٹھوں گا، اگر میں اس کی شادی میں شریک ہو جاؤں تو شریعت میں کیا کفارہ عائد ہوتا ہے، اگر لڑکے کی طرف سے نہیں تو لڑکی کی جانب سے جا سکتا ہوں یا نہیں؟۔

الجواب: صورت مرقومہ میں جب یہ کہا کہ میں تمہارے کام میں نہیں بیٹھوں گا تو اگر اس کی شادی میں شرکت کرے گا چاہے لڑکے کی طرف سے چاہے لڑکی کی طرف سے تو تین طلاق واقع ہو جائیں گی، اس لئے ضروری ہے کہ شادی میں شرکت کرنے سے پرہیز کرے، ورنہ اس کی عورت مطلقہ ہو جائے گی۔

۲۴ر جمادی الاخر ۱۳۸۳ھ

ہجرت کرنا کب ضروری ہے

سوال : ہجرت کرنا کس وقت ضروری ہوتا ہے؟

الجواب : جس جگہ غیر مذہب کی تعداد زیادہ ہو اور ان کا زور ہو اس جگہ اپنی طاقت کے مطابق عبادت میں لگا رہنا چاہئے اگر وہ عبادت سے روکیں اور فرائض ادا نہ کرنے دیں تو اس جگہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ چلا جانا چاہئے، جب تک وہ عبادات وفرائض سے نہ روکیں اس وقت تک اس جگہ پر رہنا جائز ہے، کیونکہ ہر شخص اپنی قدرت کے مطابق مکلّف اور ذمہ دار ہے، اگر ایسی جگہ عبادت وہ لوگ نہیں روکتے تو اس جگہ قیام کرنا جائز ہے، ہاں اگر وہاں نہ رہنے کی قسم کھائی تھی تو اس قسم کا کفارہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانے سے ادا ہو جائے گا۔ واللہ اعلم۔

۲۸ر ذوالحجہ ۱۳۸۳ھ

تعارف وتبصرہ

نام کتاب: پاک وہند کے نامور علماء ومشائخ مؤلف: فقیہ العصر مفتی سید عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ
مرتب: حافظ محمد اکبر شاہ بخاری صفحات: ۳۲۰ ناشر: ادارہ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور

فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ وقتاً فوقتاً بہت سی عظیم اور نابغہ روزگار ہستیوں کے حالات وواقعات زیب قرطاس فرماتے رہے۔

محترم ومکرم جناب حافظ محمد اکبر شاہ بخاری زید مجدہم نے ان جواہر پاروں کا حصہ یکجا کر کے ایک انتہائی قیمتی اور مفید مجموعہ ''پاک وہند کے نامور علماء ومشائخ'' کے نام سے افادۂ عام کیلئے مرتب کیا ہے، اس کتاب کے مطالعہ سے جہاں اکابر کے حالات معلوم ہوتے ہیں وہاں اپنے بزرگوں سے خاص محبت وعقیدت اور ان کی بابرکت مجلس وصحبت میں حاضری کا لطف بھی محسوس ہوتا ہے۔ کتاب کی ابتداء میں حضرت مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم کا تحریر فرمودہ پرمغز اور انتہائی مفید پیش لفظ کتاب کا حقیقی تعارف ہے، اسے پڑھ کر ان تذکروں کی اہمیت اور اصل روح کا پتہ چلتا ہے (مولوی محمد عبداللہ)

نام کتاب: اصلاحی خطبات ومقالات افادات: شیخ الحدیث حضرت مفتی عبدالقادر رحمہ اللہ
مرتب: حافظ محمد اکبر شاہ بخاری صفحات: ۴۰۰ ناشر: ادارہ تالیفات اشرفیہ چوک فوارہ ملتان

اکابرین دیوبند پر اللہ تعالیٰ کا فضل واحسان ہے کہ ان کے ہر قول وعمل سے سنت جھلکتی ہے اور اتباع سنت میں حد درجہ پیش پیش ہوتے ہیں، منجملہ ان اکابرین میں ماضی قریب کی ایک بزرگ ہستی حضرت شیخ الحدیث مفتی عبدالقادر رحمہ اللہ کی بھی تھی، آپ صحیح معنی میں ''مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید'' کے مصداق تھے، زیر نظر کتاب آپ کے اصلاحی بیانات ومقالات کا سدا بہار گلدستہ ہے جسے محترم ومکرم حافظ محمد اکبر شاہ بخاری زید فضلہم نے مرتب کیا ہے، کتاب صحیح معنوں میں حرز جاں بنانے کے لائق ہے۔ (عابد محمود حقانی)

نام کتاب: مقالات حکیم الاسلام افادات: حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ
مرتب: حافظ محمد اکبر شاہ بخاری ناشر: ادارۃ المعارف کراچی

حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی شخصیت علمی دنیا میں کسی تعارف کی محتاج نہیں، آپ ازہر ہند دارالعلوم دیوبند جیسے عظیم دینی ادارہ کے مہتمم ہونے کے ساتھ ساتھ کئی علوم

وفنون پر کامل دسترس رکھتے تھے، علمِ کلام حضرت کا خاص موضوع تھا۔زیرتبصرہ کتاب حکیم الاسلام کے ان مقالات ومضامین کا مجموعہ ہے جو آنجناب نے وقتاً فوقتاً مختلف رسائل وجرائد کیلئے تحریر فرمائے جناب حافظ محمد اکبر شاہ صاحب بخاری نے ان مضامین کو اس ترتیب کے ساتھ جمع فرمایا ہے، امید ہے کہ قارئین کتاب کے ذریعہ حضرت حکیم الاسلام کے علمی فوائد سے استفادہ کریں گے۔ (محمد علی اسعد)

نام کتاب: تذکرۃ الشیخ مؤلف: فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ

مرتب: قاری محمد اکبر شاہ بخاری زید مجدہم ناشر: مکتبہ رحمانیہ سنز غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی قدس سرہ عظیم، علمی، عملی، عبقری، نابغۂ روزگار اور جامع الصفات شخصیات میں سے تھے، آپ کی زندگی کا ہر شعبہ اور ہر گوشہ اپنے اندر ایک سبق اور اصلاح کا پہلو رکھتا تھا، بعد میں آنے والے حضرات کیلئے ان کے مبارک حالات وواقعات کا جمع ومرتب کرنا تعارف اور عملی زندگی کو اپنانے کیلئے ناگزیر تھا، فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذی قدس سرہ نے نہایت جامع انداز میں ایک عظیم ووقیع مقالہ تحریر فرمایا جو ماہنامہ البلاغ میں قسط وار شائع ہوتا رہا، اب اس مقالہ کو جناب قاری محمد اکبر شاہ صاحب بخاری نے مرتب کر کے اس میں مزید اضافہ فرمایا، امید ہے کہ قارئین اس کی قدر فرمائیں گے۔(محمد صدیق عفی عنہ)

نام کتاب: مقالات ومضامین حضرت مولانا عبدالحکیم صاحب سکھروی رحمہ اللہ تعالیٰ

مرتب: حافظ محمد اکبر شاہ بخاری صفحات: ۴۱۶ ناشر: ادارۃ المعارف کراچی

مولانا مفتی عبدالحکیم صاحب سکھروی رحمہ اللہ قریب زمانہ کے علماء ربانیین واولیاء کاملین میں سے تھے، سنت سے ان کو بہت لگاؤ تھا، مشہور کتاب علیکم بسنتی کے مؤلف ہیں، ایسے عالم، فاضل، مفتی، عارف ربانی کی نوک قلم سے نکلا ہوا ایک ایک حرف آب زر سے لکھنے کے قابل ہے، زیرنظر کتاب انہی کے مقالات ومضامین نافعہ، مفیدہ ثمینہ ونفیسہ پر مشتمل ہے جو علماء کرام وعوام کیلئے یکساں اہمیت کے حامل ہیں، ان کو قاری محمد اکبر شاہ صاحب بخاری نے بڑی ہی جانفشانی اور عرق ریزی سے مرتب کر کے امت مسلمہ پر عظیم احسان کیا ہے، کتاب کے شروع میں حضرت مفتی صاحب موصوف کی خودنوشت سوانح اور مختصر حالات نیز حضرت مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی دامت برکاتہم کے پیش لفظ سے کتاب کا حسن دوبالا ہوگیا ہے، قارئین ان مقالات ومضامین سے خوب استفادہ کریں۔(محمد صدیق)